اجراء حسبِ ارشاد: شیخ الحدیث حضرت مولانا مشرف علی تھانوی قدس سرہ

مواعظ حکیم الامت اور دینی رسائل کی اشاعت کا امین

ماہنامہ الامداد لاہور پاکستان

مدیر مسئول
(مولانا) ڈاکٹر احمد میاں تھانوی

مدیر
ڈاکٹر خلیل احمد تھانوی

جلد ۲۶ | ربیع الاوّل ۱۴۴۷ھ | ستمبر ۲۰۲۵ء | شمارہ ۹

الصالحون

(صالح بننے کا طریقہ) (قسط دوم)

از افادات

حکیم الامۃ مجدد الملۃ حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانوی قدس سرہٗ

عنوانات و حواشی: ڈاکٹر مولانا خلیل احمد تھانوی

قیمت فی پرچہ = /۷۵ روپے
زر سالانہ = /۹۰۰ روپے

ناشر: (مولانا) ڈاکٹر احمد میاں تھانوی
مطبع: ہاشم اینڈ حماد پریس
۱۳/۲۰ ریٹی گن روڈ بلال گنج لاہور
مقام اشاعت
جامعہ دار العلوم الاسلامیہ رجسٹرڈ لاہور پاکستان

ماہنامہ الامداد لاہور

35422213
35433049
پتہ دفتر
جامعہ دار العلوم الاسلامیہ رجسٹرڈ
۲۹۱۔ کامران بلاک علامہ اقبال ٹاؤن لاہور

وعظ

الصالحون

(صالح بننے کا طریقہ) (قسط دوم)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حکیم الامت مجدد الملت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہ کے مواعظ کی طباعت کا جو سلسلہ ادارہ اشرف التحقیق نے شروع کیا ہوا ہے۔ یہ اسی سلسلہ کا وعظ الصالحون ہے حضرت نے یہ وعظ جامع مسجد خورجہ ضلع بلند شہر جمعہ کے دن ۱۱۔ ذیقعدہ ۱۳۴۰ھ بمطابق ۷۔ جولائی ۱۹۲۳ء کو منبر پر تشریف فرما ہو کر تین گھنٹے تک بیان فرمایا جس کو حکیم مصطفی بجنوری صاحب نے نقل فرمایا سامعین کی تعداد تقریبا ایک ہزار تھی بعض اعمال کی فضیلت بیان کرنے کے ساتھ نیک صالح بننے کے لیے کیا طریقہ اختیار کیا جائے تفصیل سے بیان کیا اس سے قبل شب پنجشنبہ میں عورتوں کی اصلاح کے متعلق وعظ آیت فالصٰلحٰت قٰنتٰت الخ پر بیان کیا تھا جس کا نام الصالحات رکھا تھا مذکورہ وعظ مردوں کی اصلاح کے لیے آیۃ اولئک من الصالحین پر ہے اس مناسبت سے اس کا نام حضرت نے الصالحون رکھ دیا ۱۰۶ سال بعد حواشی کے اضافہ کے ساتھ ادارے سے طبع ہو رہا ہے طوالت کے پیش نظر تین قسطوں میں طبع کیا جائے گا۔

اللہ تعالیٰ قارئین کو عمل کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

نوٹ: اس وعظ کی پہلی قسط کا آخری عنوان (رویت ہلال میں تار کی خبر معتبر نہ ہونے کی وجہ) تھا اور اس دوسری قسط کا پہلا عنوان (لوگوں کی عام حالت) ہے۔

خلیل احمد تھانوی

فہرست

صفحہ	عنوانات	نمبر شمار
۷	لوگوں کی عام حالت	①
۷	خطرہ ایمان	②
۷	ترجمہ دیکھنے والوں کی غلطیاں	③
۸	باوقعت چیز میں احتیاط	④
۹	دین میں احتیاط کی ضرورت	⑤
۱۰	ترجمہ پڑھنے کا اصول	⑥
۱۰	ذوق سلیم بلا صحبت کے حاصل نہیں ہوتا	⑦
۱۱	علم کی خاص صفت	⑧
۱۱	بے قاعدہ کام سے نتیجہ حاصل نہیں ہوتا	⑨
۱۲	صحبت کی شرط	⑩
۱۲	علم انکشاف حقیقت ہی کا نام ہے	⑪
۱۳	صاحب کمال کا ذوق	⑫
۱۴	نمدہ کھانے کا قصہ	⑬
۱۵	علم کا کمال محیط ہونے سے ہوتا ہے	⑭
۱۵	فتویٰ معلوم کرنے میں بے احتیاطی	⑮
۱۶	بعض مسائل کئی باب سے تعلق رکھتے ہیں	⑯
۱۶	غیر واقف جزئیات سے مسئلہ پوچھنے کا نقصان	⑰
۱۷	ایک مسئلہ عدالت میں اٹھارہ سال سے پیش ہے	⑱
۱۸	ترجمہ سے مسئلہ نکالنے کا انجام	⑲
۱۹	ترجمہ کی غلطی	⑳
۲۰	اصلاح کا صحیح طریقہ	㉑
۲۳	مضمون آیت	㉒
۲۳	اللہ کی شان استغنیٰ	㉓
۲۴	ہمارا حال	㉔

(25) اللہ مستغنی ہے کا بے موقع استعمال ۲۴
(26) شریعت نے ہر چیز کی تعلیم دی ہے ۲۶
(27) شریعت میں رعایت حدود ۲۷
(28) ضراء مضرہ کی مراد ۲۸
(29) فتنہ مضلہ کی حقیقت ۲۹
(30) مجذوبوں کے ساتھ گستاخی نہ کرنے کی وجہ ۳۰
(31) محبت اور خوف کی حد ۳۱
(32) مقصود حکم الٰہی کا اتباع ۳۲
(33) رضائے الٰہی کی طلب ۳۳
(34) رزق بے حساب حصول کا طریقہ ۳۴
(35) قرآن سے بے قاعدہ غلط استنباطات ۳۵
(36) استخراج مسائل کا صحیح طریقہ ۳۵
(37) صحابہؓ کا طریقہ استنباط ۳۶
(38) کثرت رائے کا اعتبار نہیں ۳۷
(39) دین کے بارے میں لوگوں کا طرز عمل ۳۸
(40) رائے کی درستگی کی شرائط ۳۹
(41) کثرت رائے کے حجت نہ ہونے کی دلیل ۴۰
(42) شبہ کا جواب ۴۰
(43) مختلف جزئیات کا جواب ۴۱
(44) احکام دین میں رائے معتبر نہیں ۴۲
(45) قرآن سے احکام نکالنے کا صحیح طریقہ ۴۳
(46) شریعت میں ہر چیز کی حد ہے ۴۴
(47) غلط فہمی کا ازالہ ۴۵
(48) اہل کتاب کا ایمان لانا معتبر ہوگا ۴۶
(49) کافر نیک صالح ہمیشہ کے لیے دوزخ میں کیوں جائے گا ... ۴۷
(50) کافر کے نیک اعمال کی جزاء دنیا میں ملتی ہے ۴۸
(51) اخبار الجامعہ ۴۹

ماہ اگست 2025ء کے وعظ کا آخری عنوان (رویت ہلال میں تار کی خبر معتبر نہ ہونے کی وجہ) تھا۔

لوگوں کی عام حالت

عام حالت یہ ہے کہ اگر غلطی کرنے سے کوئی شبہ دل میں بیٹھ گیا تو اتنی توفیق نہیں ہوگی کہ اس کو کسی جاننے والے سے حل کریں بس اس کو لاینحل سمجھ کر دل ہی دل میں پکاتے رہیں گے اور یہ فیصلہ اول ہی دن کرلیا جائیگا کہ یہ شبہ مولویوں سے حل ہو ہی نہیں سکتا اول تو مولوی لوگ جواب نہیں دیں گے بلکہ بجائے جواب کے کفر کا فتویٰ لگا دینگے اور اگر جواب دیں گے بھی تو وہی خشک اور اپنے مذاق کے موافق جس سے ہماری تسلی نہیں ہوسکتی پس اس خیال کو پختہ کر کے شبہ کو دل ہی دل میں پالتے رہتے ہیں۔

خطرہ ایمان

حتی کہ بعض وقت وہ شبہ ایسا ہوتا ہے کہ ایمان ہی رخصت ہو جاتا ہے۔غرض دین کی تو یہ حالت ہے کہ کسی سے پوچھنے کی توفیق نہیں ہوتی اور فہم کی حالت آپ نے سن لی کہ راعنا کے لفظ کو قرآن سے نکال ہی دینے کی تجویز کر رہے تھے اور یہ بھی صرف ان ہی صاحب کے ساتھ مخصوص نہ تھی جس کو شاذ کہا جائے تمام ترجمہ دیکھنے والے ایسے ہی ہیں الا ماشا اللہ تو اس صورت میں بجز اس کے کیا حکم ہوسکتا ہے کہ ترجمہ دیکھنا جائز نہیں۔

ترجمہ دیکھنے والوں کی غلطیاں

یہ لوگ ایسی ایسی غلطیاں کرتے ہیں کہ اگر کوئی ان کو سنے تو چونک اٹھے کہ اسلام میں یہ تعلیم ہے یہ کیسا دین ہے۔اسی واسطے میں بقسم کہتا ہوں کہ اگر ہفتہ دو ہفتہ مجھ کو مہلت ملے تو واقعات کو دکھا کر آپ کے منہ سے کہلوادوں کہ ترجمہ دیکھنا نہیں چاہیئے اور یہ اس حالت میں کوئی دینداری کی بات نہیں کہ ترجمہ دیکھا کریں بلکہ یہ دین کو خراب کرنیوالی بات ہے لیکن لوگوں کو ایسی جرأت ہوئی ہے کہ ترجمہ کو بڑے شوق سے دیکھتے ہیں اور ترجمہ سے عقائد وغیرہ کی تحقیقات کرتے ہیں پھر نصوص میں تحریف کرتے ہیں کوئی ربوا کو ربودن سے مشتق کر کے ربوا کی آیت کو نوٹ کی ممانعت پر محمول کرتا ہے کوئی

علق کا ترجمہ جونک کرکے منی میں کیڑے ہونا قرآن سے ثابت کرتا ہے کوئی آیت تَحۡسَبُهَا جَامِدَةً وَهِيَ تَمُرُّ مَرَّ ٱلسَّحَابِۚ سے زمین کا متحرک ہونا ثابت کرتا ہے۔ انجام اسکا یہ ہے کہ جب ان باتوں کو قرآن سے ثابت مان لیا گیا تو یہ سب جزو مذہب ہو گیا اور ان کے خلاف باطل اور کفر ہوا۔ تو کل کو اگر فلسفہ کی تحقیق بدلی جیسا کہ اکثر ایسا ہوتا رہتا ہے تو اس وقت نعوذ باللہ ماننا پڑیگا کہ قرآنی تحقیقات بھی غلط ہیں کیا اس وقت کے لئے کوئی جواب سوچ رکھا ہے؟ یہ سب کاہے کی بدولت ہے؟ ترجمہ کو کافی سمجھنے کی بدولت۔ اصل یہ ہے کہ دین کو لوگوں نے بہت سستا سمجھ لیا ہے اور اسی پر مشق ہوتی ہے جس کی بھی ہوتی ہے یاد رکھئے کہ ایسی جرأت اسی چیز کے بارے میں ہوا کرتی ہے جس کی کچھ وقعت نہ ہو کہ وہ چیز بنے سدھرے یا بگڑے ① بلکہ خود نفس شے کی بھی پروا نہیں۔ رہی رہی نہ رہی نہ رہی۔

باوقعت چیز میں احتیاط

باقی جس چیز کی وقعت ہوتی ہے اس کے بارے میں آدمی کبھی ایسی جرأت نہیں کیا کرتا اس کے بارے میں احتیاط سے کام لیا کرتا ہے۔ دیکھئے دین کے بارے میں تو ترجمہ کو کافی سمجھا جاتا ہے لیکن علاج کے بارے میں ترجمہ کو کافی نہیں سمجھا جاتا۔ ہم تو جب جانیں کہ کسی کی بی بی بیمار ہو اور وہ کسی طبی کتاب کا ترجمہ دیکھ کر اس کو مسہل ② دیدے اس وقت تو اس بات کی تلاش ہوتی ہے کہ شہر میں طبیب کونسا سب سے زیادہ قابل ہے اس کی طرف رجوع کرو اور اس سے کچے حالات کہہ کر نسخہ لکھواؤ اور نسخہ کو اچھی طرح پڑھ لو اور سمجھ لو ایسا نہ ہو کہ عطار کوئی غلطی کرے اور مسہل بگڑ جائے اور بجائے نفع کے نقصان پہنچ جائے۔ سو محبت اور وقعت کے آثار یہ ہوتے ہیں کہ اس قدر احتیاط کی جاتی ہے حتی کہ خود طبیب بھی اپنے گھر والوں کا علاج نہیں کرتے دوسرے طبیب سے مشورہ لیتے ہیں کیونکہ گھر والوں کے علاج کا اہتمام اتنا گھر کے طبیب سے نہیں ہوتا جتنا کہ دوسرے طبیب سے ہوتا ہے اور گھر والوں کو بھی گھر کے طبیب اور اس کے علاج کی چنداں وقعت نہیں ہوتی۔ غرض وقعت اور محبت جہاں ہوتی ہے وہاں احتیاط سے کام لیا جاتا ہے۔ چنانچہ بی بی کے علاج میں کبھی جرأت نہیں کی جاتی بلکہ نوکر اور خدمت گار کے بھی علاج میں جرأت نہیں کی جاتی

① صحیح رہے یا غلط ② دست لانے والی دواء

اس کو بھی فہمائش کردی جاتی ہے کہ کسی اناڑی کے ہاتھ میں نہ جاپھسنا فلاں طبیب کے پاس جانا اور میرا رقعہ لے جانا وہ توجہ سے علاج کردینگے اے اللہ! کیا ہوگیا کہ دین کی وقعت اور محبت خدمت گار اور نوکر کے برابر بھی نہیں رہی دین کے بارے میں یہ برتاؤ ہے کہ اپنی فہم پر اور ترجمہ پر اعتماد کرلیا جاتا ہے اور اگر کسی نے بڑی ہمت کی تو کسی طالب علم سے ترجمہ پڑھ لیا گو اس کی استعداد بھی کافی نہ ہو اب تو گویا رجسٹری ہوگئی صحت پر اور علاج کے بارے میں یہ برتاؤ ہے کسی طبیب کے طالب علم سے کبھی نسخہ نہیں لکھواتے بلکہ کہتے ہیں علاج کا کام بڑا مشکل ہے اس میں بڑی باریکیاں ہیں ذرا سی بے عنوانی میں کچھ سے کچھ ہو جاتا ہے بڑی لیاقت کی ضرورت ہے اور بہت تجربہ درکار رہے۔ حکیم معمر اور پرانا ہی قابل اعتماد ہوتا ہے۔

دین میں احتیاط کی ضرورت

کیوں صاحب کیا دین کا علم کچھ بھی مشکل نہیں اور اس علم میں کچھ باریکیاں نہیں اور اس میں کچھ تجربہ اور نشیب وفراز دیکھنے کی حاجت نہیں پھر اس میں کیوں نہیں دیکھا جاتا کہ صاحب علم اور تجربہ کار ہو مشاق بھی ہو اس میں کیوں معمولی طالب علموں سے مشورہ کرلینے کو کافی سمجھا جاتا ہے دین کے بارے میں تو اور زیادہ احتیاط کی ضرورت ہے ہر عالم پر بھی اعتماد نہیں کرنا چاہئے اور عالم کو فتویٰ دینے اور مقتدا بننے کا اہل نہ سمجھنا چاہئے

نہ ہر کہ چہرہ برافروخت دلبری داند نہ ہر کہ آئینہ دارد سکندری داند
ہزار نکتۂ باریک تر زمو اینجاست نہ ہر کہ سر بتراشد قلندری داند ①

صاحبو! یہ طریقہ بالکل غلط ہے کہ ترجمہ دیکھنے میں اپنے فہم پر اعتماد کیا جائے یا معمولی طالب علموں سے اس کو پڑھ لیا جائے اس طریقہ کو چھوڑیئے بلکہ اسلم یہ ہے کہ قرآن کا ترجمہ دیکھنا ہی چھوڑ دیجئے۔ دین کی کتابیں اور بہت ہیں جو سہل ہیں اور عام طور سے سمجھنے ہی کیلئے لکھی گئی ہیں ان میں آپ کے کام کی باتیں ہیں ان کو پڑھیئے اور اپنی اصلاح کیجئے ارکان اسلام کو درست کیجئے۔ کیا ضرور ہے کہ قرآن ہی پر پہنچ جایئے۔

---

① ''ہر خوبصورت چہرے والا محبوب نہیں ہوسکتا جیسے ہر وہ آدمی جس کے پاس آئینہ ہو سکندر نہیں ہوتا۔ دین میں بال سے زیادہ باریکیاں ہیں ہر سر منڈا شخص قلندر نہیں ہوتا۔

ترجمہ پڑھنے کا اصول

قرآن کا اگر شوق ہے تو باقاعدہ حاصل کیجئے۔ درسیات پڑھئے اور ان علوم کو حاصل کیجئے جو قرآن کے سمجھنے کیلئے موقوف علیہ ہیں پھر قرآن کو دیکھئے چشم ما روشن ودل ماشاد۔ ہم تو خدا سے چاہتے ہیں کہ قرآن پڑھنے والے پیدا ہوں۔ اور کتابوں کے دیکھنے کے متعلق بھی میں کہتا ہوں کہ ہر ایک کتاب بھی دین کی نہ دیکھئے بلکہ مشورہ لیجئے کسی جاننے والے سے کہ فلاں کتاب ہم دیکھیں یا نہیں؟ اگر وہ مشورہ دیں تو دیکھئے ورنہ نہیں اور اجازت کے بعد بھی میں کہتا ہوں کہ علماء کی صحبت سے مستغنی نہیں ہو سکتے اور یہ نہیں ہوسکتا کہ آپ کی اصلاح کے لئے صرف کتاب کا دیکھنا کافی ہو جاوے۔ کیونکہ کتاب میں عام اصول اصلاح کے لکھے ہوئے ہونگے انکو معلوم کر لینے کے بعد بھی ان کی تطبیق اپنے احوال پر ایک مستقل اور دشوار کام ہے یہ آپ نہیں کر سکتے اس کے لئے ضرورت ہے مشیر کی اور مشیر بھی تجربہ کار اور ماہر ہونا چاہئے اور ایسے مشیر علماء ہی ہیں تو علما سے استغنا کسی حالت میں نہیں ہوسکتا۔

ذوق سلیم بلا صحبت کے حاصل نہیں ہوتا

اور ایک اور بات قابل غور ہے وہ یہ ہے کہ دین میں ایک ایسی چیز بھی ہے کہ وہ ہے تو بہت ضروری لیکن کتاب میں نہیں مل سکتی۔ یہ بات بالکل نئی سی اور مستبعد معلوم ہوگی لیکن ہے بالکل سچی بات۔ لوگ علماء کے پاس رہے نہیں ہیں ورنہ اس کی تصدیق میں ذرا تامل نہ ہو۔ ابھی میں اس کو کسی قدر توضیح کے ساتھ بیان کرونگا وہ وہ چیز ہے جس کو ذوق سلیم اور مناسبت کہتے ہیں۔ یہ کتاب کے دیکھنے سے حاصل نہیں ہوسکتا یہ صحبت سے اور پاس رہنے سے حاصل ہوتا ہے اور یہ ایسی ضروری چیز ہے کہ اسی سے انسان دین کا غیر دین سے امتیاز کر سکتا ہے اگر ایک ایسا شخص ہو جو لیاقت کتاب کی تو معمولی رکھتا ہو لیکن علماء کی صحبت پائی ہو جو مناسبت دین سے اس شخص کو ہوگی وہ اُس شخص کو ہرگز نہیں ہوگی جس کی کتابی لیاقت تو بہت کچھ ہو لیکن صحبت علما کی نہ پائی ہو یہ شخص حق و باطل میں کافی تمیز نہ کر سکے گا اور وہ باوجود کم لیاقت ہونے کے تمیز کرے گا مثال اس کی یہ ہے کہ ایک وہ شخص ہے جس نے طبی کتابیں خوب دیکھی ہیں لیکن کسی طبیب کے پاس بیٹھا نہیں نہ مطب کیا ہے اور ایک وہ ہے کہ کتابیں تو اس نے زیادہ نہیں دیکھیں لیکن طبیب کے پاس مدت تک بیٹھا ہے اور مریضوں کو دیکھا ہے اور

بہت سے علاج اس کے ہاتھ سے نکل چکے ہیں ان دونوں سے کسی مریض کیلئے نسخہ لکھوائے اب دیکھیں گے کہ دونوں میں زمین آسمان کا فرق ہوگا۔ اس کتاب دیکھنے والے کا نسخہ بالکل بے جوڑ اور بے تکا ہوگا اور اس صحبت یافتہ کا نسخہ صحیح اور با قاعدہ ہوگا یہ علاج کرلے گا اور وہ نہ کر سکے گا۔ اس سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ فن میں کوئی بات ایسی بھی ہوتی ہے جو کتاب میں نہیں ہوتی مثال مذکور میں وہی بات تو ہے جو کتاب جاننے والے کو حاصل نہیں ہوئی اور طبیب کے پاس بیٹھنے والے کو حاصل ہوگئی۔ ہرفن کی یہی حالت ہے تو دین کو بھی ایسا ہی سمجھ لیجئے اب کوئی تعجب نہ رہا ہوگا اس مقولہ میں کہ ایک چیز ایسی ہے کہ کتاب میں نہیں ہے اور وہ صحبت سے حاصل ہوتی ہے کسی نے خوب کہا ہے

گر مصور صورتِ آں دلستان خواہد نشید ۔۔۔ لیک حیرانم کہ نازش راچساں خواہد کشید ①

مٹی کی تصویر میں بھی محبوب کی صورت شکل خط و خال سب کچھ ہو سکتے ہیں لیکن وہ بات کہاں آسکتی ہے جو زندہ محبوب میں ہوتی ہے۔

علم کی خاص صفت

علم کو سمجھئے کہ ایک محبوب ہے جو علماء کے پاس ہے۔ دور بیٹھے دریافت کرنے سے اُسکا نام اور حلیہ تو وہ بنا سکتے ہیں مگر اس کا ناز اور ایک وہ چیز جس کو لوچ ② کہتے ہیں وہ کسی طرح نہیں بتا سکتے اور اس بارے میں ان کو کوئی بخیل بھی نہیں کہہ سکتا بلکہ وہ معذور ہیں وہ چیز ہی ایسی نہیں جس کو کوئی بیان کر سکے وہ تو ان کے پاس ہی رہ کر نظر میں آسکتی ہے۔ جب تک علماء کے پاس نہیں رہو گے وہ چیز ہرگز حاصل نہ ہوگی۔ اور رہنا بھی وہ معتبر ہے جو اس طرح ہو کہ تم ان کے تابع ہو کر رہو بہت سے لوگوں کو یہ بھی شکایت ہوتی ہے کہ ہم علماء کی بھی صحبت میں رہے مگر کچھ حاصل نہ ہوا۔ میں کہتا ہوں آپ رہے ضرور ان کے پاس لیکن بے قاعدہ رہے۔ کام کو بے قاعدہ کرنے سے نتیجہ نہیں حاصل ہوا کرتا۔

بے قاعدہ کام سے نتیجہ حاصل نہیں ہوتا

کوئی آٹا گوندھے لیکن بے قاعدہ مثلاً اس میں پانی بہت سا ڈال دے تو اس کی روٹی نہیں پکے گی یا پانی بہت کم ڈالے تب بھی نہیں پکے گی۔ روٹی جب ہی پکے گی جب آٹا قاعدہ کے موافق گوندھا جاوے، ورنہ یہ آٹا بھی بیکار جاویگا اور اتنی لاگت کا اور نقصان

① ’’اگر کوئی مصور محبوب کی صورت بنانا چاہے میں تو حیران ہوں کہ وہ اس کے ناز و انداز کیسے بنائے گا ② ادائیں

ہوگا۔ اسی طرح اگر علماء کے پاس رہنا ہوا مگر بے قاعدہ ہوا تو اس پر اگر نتیجہ مترتب نہ ہو تو کوئی شکایت کی جگہ نہیں قاعدہ کے موافق رہئے پھر دیکھئے نتیجہ کیسے مترتب نہیں ہوتا۔

صحبت کی شرط

وہ قاعدہ یہ ہے کہ ان کو اپنے مذاق کا تابع نہ بنایئے بلکہ خود ان کے مذاق کے تابع بن کر رہئے۔ اب لوگ علماء کے پاس جاتے ہیں اور رہتے ہیں مگر اپنا مذاق بدلنا نہیں چاہتے بلکہ یہ چاہتے ہیں کہ علما بھی ہمارا ہی مذاق اختیار کرلیں اور کسی بات میں روک ٹوک نہ کریں تو یہ علماء کے پاس رہنا نہیں بلکہ ان کو اپنے پاس رکھنا ہے اسکا اثر یہ نہیں ہوسکتا کہ آپ اُن سے کچھ حاصل کرسکیں بلکہ اسکا یہ اثر ہوسکتا ہے کہ وہ آپ سے کچھ جہل حاصل کرلیں سو ان کو جہل حاصل کرنے کی کیا ضرورت ہے۔ چند روز تقلید ① محض کرکے اُن کے پاس رہئے اور ان کے اقوال وافعال میں کچھ جرح قدح ② نہ کیجئے اور ان کا سا مذاق بنانے کی کوشش کیجئے تب دیکھئے گا کہ علم کا لوچ آپ کو حاصل ہوتا ہے یا نہیں میں بقسم کہتا ہوں کہ جس طرح اقلیدس کی شکلیں بلا تقلید کے اور بدون اس کے کہ ہر علوم متعارفہ اور اصول موضوعہ کو بے چون وچرا تسلیم کرلیا جاوے سمجھ میں نہیں آسکتیں اسی طرح حقائق بلا تقلید محض اور بلا رائے کے فنا کردینے ③ کے منکشف نہیں ہوسکتیں۔

علم انکشاف حقیقت ہی کا نام ہے

علم انکشاف حقائق ہی کا نام ہے سو یہ انکشاف محض حکایات اور روایات کے سننے سے حاصل نہیں ہوتا یہی ہے وہ چیز جس کو حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ کسی کو یہ خیال نہ ہو کہ ہم کو کوئی ایسی خاص چیز کی تعلیم کی گئی ہے جو اوروں کو تعلیم نہیں کی گئی تو یہ بالکل غلط ہے الا فهما او تيها الرجل في القرأن یعنی ہاں ایک چیز زیادہ ملی ہے یعنی فہم دین یعنی ہم کو فہم ایسا عطا ہوا ہے کہ ہم کو دین کے وہ حقائق منکشف ④ ہوتے ہیں کہ اوروں کو نہیں ہوتے۔ یہ اُس زمانہ میں فرما رہے ہیں کہ اس وقت میں سب کے سب علماء ہی تھے کیونکہ علم کتابوں کی صورت میں نہ تھا سماع اور روایت پر تھا کاتب

① بے چون چرا ان کی تابعداری کرکے ② کوئی اعتراض نہ کیجئے ③ اپنی رائے کو چھوڑے بغیر حقائق تک رسائی نہیں ہوتی ④ دین کی حقیقت ہم پر کھل جاتی ہے جو دوسرے پر نہیں کھلتی

اور غیر کا تب سب روایت کے ذریعہ سے عالم تھے۔ ان علماء کے سامنے کہتے ہیں کہ ہم میں ایک فہم ہے کہ وہ اکثروں میں نہیں ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ محض روایات و حکایات میں علم منحصر نہیں ان کے سوا کچھ اور چیز بھی ہے جو ہر شخص کو حاصل نہیں ہوتی وہ ایک خاص ملکہ و مہارت اور بصیرت ہے جس کو وہی محسوس کرتا ہے جسے حاصل ہے دوسرے کو وہ سمجھا بھی نہیں سکتا کہ وہ کیا چیز ہے؟ جیسے کسی پرانے ماہر اور تجربہ کار طبیب کو نبض دکھایئے وہ نبض دیکھتے ہی بتلاتا ہے کہ چار مہینہ سے حرارت ہے اب اگر اس سے پوچھا کہ کیسے پہچانا اور یہ مدتِ حرارت کی کس قاعدہ سے معلوم کی؟ تو اسکا جواب وہ کچھ نہیں دے سکتا اور نہ وہ اس شخص کو سمجھا سکتا ہے جس کو یہ ملکہ حاصل نہیں اگر کچھ بیان کریگا تو میں اس قدر جرح قدح ① ہونگی کہ پیچھا چھوڑانا مشکل ہوجائیگا لیکن اسکا یہ کہنا ہوگا صحیح اور حرارت واقعی چار ہی مہینہ سے ہوگی تو اس کی تحقیق بے اصل نہیں ہے مگر وہ اصل بیان میں نہیں آتی۔

صاحب کمال کا ذوق

صاحب کمال کو ایک ذوق پیدا ہو جاتا ہے کہ اس سے وہ حق و باطل کو اس طرح شناخت کر لیتا ہے جیسے زبان نمک کو پہچان لیتی ہے اب اگر کوئی ایسا آدمی جس کی زبان میں حِس نہ ہو اُس سے الجھنے لگے کہ کیا ثبوت ہے کہ اس چیز میں ذائقہ نمکین ہے؟ تو کسی طرح اُسکو سمجھا نہیں سکتا سوا اس کے کہ اسکا علاج کرادے جس سے اسکی زبان میں حِس ذوق پیدا ہو جاوے پھر اس سے کہے کہ دیکھ میں صحیح کہتا تھا یا نہیں کہ یہ نمکین ہے اس وقت وہ شرح صدر کے ساتھ تصدیق کریگا کہ واقعی تو ٹھیک کہتا تھا۔ غرض بعض باتیں زبانی بتانے سے سمجھ میں نہیں آتیں بلکہ اور ذوق پیدا کرنے سے سمجھ میں آتی ہیں زبانی بتانے سے اُن میں مناقشات ② پیدا ہوتے ہیں جن کا فیصلہ کسی طرح نہیں ہوسکتا ۔ وہی طبیب والی مثال یاد کیجئے کہ اس نے نبض دیکھ کر بتا دیا کہ چار مہینہ کی حرارت ہے وہ اگر کسی غیر ماہر کو سمجھانا چاہے تو یہی کہے گا کہ نبض کی سرعت سے پہچانا کہ ایسی حرارت ہے تو اس پر وہ جرح کر سکتا ہے کہ نبض میں سرعت تو دوڑ کر چلنے سے بھی پیدا ہو جاتی ہے اب اس کو یہ سمجھانا کہ اس سرعت میں اور اس سرعت میں فرق ہے بڑا مشکل ہے۔ جو فرق

---

① بحث مباحثہ ہوگا ② جھگڑے

بیان کیا جاویگا اس میں اور سوالات پیدا ہونگے اور بالآخر یہی کہنا پڑیگا کہ سیکھو اور مشق کرو مہارت پیدا کرو تب سمجھ میں آوے گا۔ غرض اس وقت اس غیر ماہر کی سمجھ میں کسی طرح نہیں آئیگا کہ چار مہینہ کی حرارت کیسے پہچانی جاتی ہے اور اگر بلا ذوق پیدا کئے اور بلا مہارت اور مشق حاصل کئے یہ بھی بتکلف اس ماہر کی ریس کرنے لگے تو بہت دھوکے کھائے گا۔

نمدہ کھانے کا قصہ

اور وہی نمدہ والا قصہ ① ہو جائے گا۔ کہ ایک طبیب تھے وہ کسی مریض کو دیکھنے گئے اور نبض دیکھی اور کہا اس نے سنترے کھائے ہیں آئندہ احتیاط رہے کہ سنترے نہ کھاوے۔ صاحبزادہ بھی ہمراہ تھے انہوں نے گھر آکر پوچھا کہ ابا جان آپ نے نبض سے یہ کیسے پہچان لیا کہ اس نے سنترے کھائے ہیں۔ کہا بیٹا نبض سے کہیں یہ باتیں معلوم ہوتی ہیں یکمن علم را دہ من عقل باید ② بہت سی باتیں قرائن سے پہچانی جاتی ہیں میں جب اس مکان میں گیا تو دیکھا کہ مریض کے چار پائی کے نیچے سنترہ کے چھلکے پڑے ہیں بس میں سمجھ گیا کہ اُس نے سنترے کھائے ہیں اور یہ شکایت سنتروں ہی کے کھانے سے پیدا ہوئی ہے۔ صاحبزادہ صاحب نے یہ بات پلہ باندھ لی کہ جو چیز مریض کے چار پائی کے نیچے پڑی ہو وہی کھائی ہوئی ہوتی ہے۔ وہ طبیب صاحب مر مرا گئے۔ اب صاحبزادے کی عملداری ہوئی ہے

آدمیان گم شدند لمک خدا خر گرفت ③

اب یہ ایک مرض کو دیکھنے گئے۔ جاتے ہی چار پائی کے نیچے جھانک کر دیکھ لیا۔ دیکھا کہ نمدے کے ٹکڑے پڑے ہیں بس آپ نے نبض پر ہاتھ رکھا اور حال بتانا شروع کیا کہ بخار ہے نبض میں ثقل ہے کوئی چیز نئی غیر معروف کھائی گئی ہے تیمارداروں نے کہا کوئی چیز نہیں کھائی گئی مریض بہت پرہیز کرنے والا ہے کہا نہیں ایسا نہیں ہوسکتا نبض صاف بتلا رہی ہے کہ کوئی نئی چیز کھائی ہے اور غور سے دیکھ کر میں اسکی تعیین بھی کرسکتا ہوں کہ وہ کیا ہے۔ پھر نبض پر ہاتھ رکھا اور کہا بالکل صاف معلوم ہوتا ہے اس نے نمدہ ④ کھایا ہے۔ لوگوں نے کہا جناب نمدہ بھی کوئی کھاتا ہے کہا یہی تو مجھے بھی تعجب ہے کہ اُس نے کیسے

---

① کمبل ② ایک من علم کو سمانے کے لیے دس عقل کی ضرورت ہے ③ ''عقل مند لوگ مر گئے اور حکومت خداداد گدھوں کے سپرد ہوگئی ④ اونی کمبل یا دس اونی کپڑا جو گھوڑے کی زین پر کسا جاتا ہے

کھایا؟ نمدہ تو کوئی کھانے کی چیز نہیں میں نے پہلے کہا تھا کہ کوئی نئی چیز کھائی ہے نبض میں ایک بالکل نئی کیفیت ہے۔ اور صاف معلوم ہوتا ہے کہ وہی کیفیت ہے جو نمدہ کھانے سے پیدا ہوسکتی ہے۔ لوگوں نے کہا سلام ہے آپ کی طبابت کو تشریف لے جایئے آپ علاج بھی ایسا ہی کرینگے جیسی تشخیص کی غیر ماہر کو بلا تحقیق ماہر کی ریس کرنے سے ایسے ہی دھوکے ہوتے ہیں۔ چند کلیات کو یاد کر لینے سے ہوتا کیا ہے۔

علم کا کمال محیط ہونے سے ہوتا ہے

علم کا کمال جب ہوتا ہے جب آدمی فن کا محیط ① ہوا اور یہ بات بڑی مشق سے اور علماء کے پاس رکھنے سے اور ملکہ تامّہ اور ذوق صحیح پیدا کرنے سے حاصل ہوتی ہے۔ اور ان علوم کی نسبت تو کیا کہا جائے جن میں جزئیات کی پوری تدوین نہیں ہے صرف اصول اور کلیات ہی ہیں۔ فقہ کو دیکھئے جس میں جزئیات کی تدوین ہے اور اس میں سب کچھ لکھا ہے۔ فقہ نام ہی اس علم کا ہے جس میں اِدلّہ شرعیہ سے احکام کو استنباط کر کے جمع کر دیا گیا ہے۔ اس سے کس قدر سہولت ہوگئی اور کیسی دین کی حفاظت ہوگئی مگر باوجود اس سہولت ہو جانے کے خود فقہ میں بھی اس پر محیط ہونے کی ضرورت ہے وہی شخص فتویٰ دے سکتا ہے جو فقہ پر پورا حادی ② ہو۔

فتویٰ معلوم کرنے میں بے احتیاطی

مگر اب تو یہ حالت ہے کہ فتویٰ پوچھنے والے مفتی کا ماہر ہونا تو کیا دیکھتے وہ تو یہ بھی نہیں دیکھتے کہ جس سے فتویٰ پوچھ رہے ہیں اس نے فقہی کتابیں بھی پڑھی ہیں یا نہیں؟ بس اتنا سن لیا کہ یہ بھی مدرسہ میں رہتے ہیں بس ان سے فتویٰ پوچھنا شروع کر دیا منشاء اس کا دین کی طرف سے لاپروائی ہے کہ جو الٹا سیدھا چاہا کر لیا اور ضابطہ کی کاروائی کرنے کے لئے ایک پڑھے لکھے سے پوچھ بھی لیا۔ صاحبو کوئی علم ایسا نہیں جو بدون احاطہ ③ آجاوے۔ کسی فن کی دو چار باتیں جاننے سے کوئی اس فن کا عالم نہیں کہا جا سکتا اور اس فن کے بارے میں اس کی تحقیق مستند نہیں کہی جاسکتی اور ایسے آدمی کی تحقیق پر عمل کرنا اس فن پر عمل کرنا نہیں کہا جا سکتا۔ دیکھئے اُردو کی ایک کتاب طب کی دیکھ لینے سے آدمی طبیب نہیں کہلایا جاسکتا اور طب کے بارے میں اس کی تحقیق مستند نہیں ہوسکتی اور اس کی

---

① پورا ماہر فن ② فقہ پر مکمل عبر ہو ③ بغیر تکمیل۔

تحقیق پر عمل کرنے پر علاج کرنیکا اطلاق نہیں کیا جاسکتا جس شخص نے ایسے طبیب سے علاج کرایا ہو اور اس کو آرام نہ ہوا ہو اس کو کوئی یوں نہیں کہے گا کہ اس نے علاج تو بہت کرالیا اب اس کی تقدیر ہے اس کو ہر شخص یہی کہے گا کہ میاں باقاعدہ علاج کراؤ کسی طبیب کے پاس جاؤ اپنی جان کے کیوں دشمن ہوئے ہو یہ بھی کوئی علاج ہے اسی طرح فقہ بھی ایک علم ہے اس کی ایک آدھ کتاب پڑھ لینے یا دیکھ لینے سے کوئی فقیہ نہیں ہوسکتا اور نہ اس کا فتویٰ معتبر ہو سکتا ہے اور نہ اُس سے فتویٰ پوچھ کر عمل کرنے سے کوئی مواخذہ سے بری ہوسکتا ہے۔ ایسا نام کا فقیہ ایسی ایسی فاش غلطیاں کرے گا کہ تحریم حلال اور تحلیل حرام ① کی نوبت آوے گی۔

بعض مسائل کئی باب سے تعلق رکھتے ہیں

وجہ یہ ہے کہ بعض مسائل ذی اجزا ہوتے ہیں اور ان اجزا میں سے کوئی جزو کسی باب سے تعلق رکھتا ہے اور کوئی کسی باب سے۔ اب اگر سب کو ایک جگہ لکھا جاوے تو کتاب کی ترتیب میں فرق آتا ہے اور جو غرض ہے ترتیب سے یعنی مسئلہ کے نکالنے میں سہولت ہو وہ فوت ہوتی ہے اس واسطے وہ اجزا الگ الگ بابوں میں لکھنے پڑتے ہیں اب ظاہر ہے کہ جس کی نظر کل بابوں پر نہ ہو وہ اس مسئلہ کو صحیح طور پر کیسے حل کرسکتا ہے یہ ایسی بات ہے کہ جاہل تو جاہل اس میں کچے پکے مولویوں کو بھی دھوکہ لگ جاتا ہے اور اکثر دھوکہ کھانے کی وجہ یہی ہوتی ہے۔

غیر واقف جزئیات سے مسئلہ پوچھنے کا نقصان

میں اسکی مثال میں ایک مسئلہ پیش کرتا ہوں وہ یہ ہے کہ فقہ میں کنایات طلاق کے باب میں لکھا ہے کہ لفظ اِخْتَارِی بھی کنایات میں سے ہے اور کنایات کا حکم یہ ہے کہ اگر ان کے ساتھ نیت طلاق کی ہو تو طلاق بائن ہو جاتی ہے کنایات کے باب میں تو اتنا ہی مذکور ہے کہ اِخْتَارِی بھی کنایات میں سے ہے تو حسب قاعدہ مذکورہ ظاہراً حکم اس کا یہ ہوگا کہ اگر اس لفظ کو خاوند نے بہ نیت طلاق کہا تو طلاق بائن ہو جائیگی لیکن اس میں ایک شرط بھی ہے جو باب التفویض ② میں مذکور ہے وہ یہ کہ صرف اِخْتَارِی کہہ دینے سے طلاق نہ ہوگی بلکہ اس میں شرط یہ ہے کہ اس کے جواب میں عورت بھی یہ کہے کہ اخترت تب طلاق ہوگی اور یہ جزو باب

① حلال کو حرام اور حرام کو حلال کرنے کی نوبت آئے گی ② تفویض طلاق کے باب میں

تفویض الطلاق میں لکھا ہے مطلب یہ ہے کہ اِخْتَارِی طلاق کا لفظ ہے مگر ایقاع ① کا نہیں بلکہ تفویض طلاق کا یعنی اگر تو چاہے تو طلاق لے لے تو اگر خاوند نے اس نیت سے کہا ہے اور اس کو منظور یہ ہے کہ عورت اگر چاہے تو طلاق لے سکتی ہے تب تو یہ تفویض طلاق ہوگی اور اگر عورت سے کچھ نہ کہا تو کچھ بھی نہیں، اب دیکھئے کہ جس کی نظر تمام ابواب پر نہ ہو اور صرف باب کنایات ہی دیکھا ہو اس سے جب یہ مسئلہ پوچھا جاویگا کہ کسی نے اپنی عورت سے اِخْتَارِی بہ نیت طلاق کہہ دیا ہے تو فورا کہہ دیگا کہ طلاق بائن ہوگئی۔ اب نتیجہ کیا ہوگا کہ عدت گزرنے کے بعد یہی مفتی صاحب اس عورت کو دوسرے کے لئے حلال کریں گے کیونکہ اب اس میں کیا شبہ ہے جب طلاق ہوگئی اور عدت بھی گذار لی تو نکاح جس سے چاہے کرسکتی ہے حالانکہ نفس الامر میں حکم یہ ہے کہ اگر خاوند نے یہ لفظ تفویض طلاق کے لئے کہا ہے اور عورت نے اس کے بعد اخترت نفسی نہیں کہا تو اس سے کچھ بھی نہیں ہوا نہ طلاق ہوئی نہ خاوند کے نکاح سے خارج ہوئی نہ دوسرے سے نکاح کرسکتی ہے اور ان مفتی صاحب نے اس کو دوسرے کیلئے حلال کردیا تو یہ حرام کو حلال کرنا ہوا اور پہلے خاوند کے نکاح سے باہر کریں گے اور اس عورت کو اس پر حرام کہیں گے یہ تحریم حلال ہوئی ذرا سے لفظ اِخْتَارِی کے حکم میں فقہ پر پورا عبور نہ ہونے کی وجہ سے ایسی غلطی ہوئی۔ ایسی نظیریں بکثرت ہیں بعض بعض مسائل کو کئی کئی باب میں دیکھنا پڑتا ہے کوئی جزو کہیں ملتا ہے اور کوئی جزو کہیں۔

ایک مسئلہ عدالت میں اٹھارہ سال سے پیش ہے

ایک مسئلہ اٹھارہ سال سے عدالت میں پیش تھا اور طے نہیں ہوتا تھا منصف صاحب حیران ہوگئے تھے۔ بالآخر منصف صاحب نے اس کو دیوبند بھیجا۔ مولانا استاذنا نے اس کو میرے سپرد کیا مجھے بہت ابواب میں دیکھنا پڑا تب اس کا جواب لکھا گیا۔ جب جواب عدالت میں پہنچا تو ایک دن میں منصف نے فیصلہ کردیا اور پہلے وہی منصف پریشان ہوگیا تھا اور کوئی فیصلہ اس کی سمجھ میں نہیں آتا تھا آجکل وکلاء بھی ہدایہ کا امتحان دیتے ہیں۔ ہدایہ کا تو کیا دیتے ہدایہ کے ترجمہ کا امتحان دیتے ہیں۔ آجکل ہر علم وفن کے ترجمے ہوگئے ہیں منجملہ ان کے فقہ بھی ہے۔ ہدایہ کا بھی ترجمہ ہوگیا ہے۔ مگر ترجمہ کی خوبی سنئے میں پھر مکرر کہتا ہوں کہ ترجموں سے کام

① صرف یہ لفظ بولنے سے طلاق واقع نہیں ہوتی۔

نہیں چل سکتا کام اگر چلتا ہے تو علماء کی جوتیاں سیدھی کرنے سے چلتا ہے۔ اس کا مطلب یہ نہ سمجھئے کہ میری جوتیاں سیدھی کرنے سے میں تو عالم نہیں ہوں مگر علماء موجود ہیں۔

ترجمہ سے مسئلہ نکالنے کا انجام

اب ترجمہ کی خوبی کا ایک واقعہ سنیئے۔ ایک شخص نے اپنی بی بی کو تین طلاق دیدی اسکا حکم مشہور ہے کہ طلاق مغلظہ ہو جاتی ہے اور اب کوئی صورت رجوع کی یا دوبارہ نکاح کی باقی نہیں رہتی سوائے اس کے کہ حلالہ کیا جاوے جس کو کوئی گوارہ نہیں کرتا لیکن اس عورت کے گھر والے سر تھے کہ ہم تو اسکو اسی شوہر کی بی بی بنا دینگے۔ میں اس بات کو مکرر ① بیان کر چکا ہوں کہ یہ نہایت غلط طریقہ ہے کہ ایک بات دل میں جما کر پھر اس کو دین میں تلاش کیا جائے اور دلیلوں کو اس پر منطبق کر لیا جائے۔ اس صورت میں دلیل الٹی سیدھی مل ہی جاتی ہے لیکن یہ اتباع دین کا نہیں ہوتا بلکہ اتباع اپنی رائے اور خواہش کا ہوتا ہے ہاں الزام سے بچنے کیلئے دین سے بھی اسکی تائید لے لی جاتی ہے۔ دین کا اتباع تو اس کا نام ہے کہ اپنی رائے اور خواہش کو قطعاً الگ کر کے دین کے پیچھے ہولے چاہے وہ اپنی رائے کے خلاف ہو یا موافق یہ اور بات ہے کہ وہ اپنی رائے کے موافق ہی آن پڑے۔ غرض انھوں نے دل میں ٹھان لیا کہ اس عورت کو اسی شوہر کی بیوی بنا دینگے میرے پاس مسئلہ پوچھنے آئے میں نے کہا اب وہ بالکل حرام ہے کوئی صورت باقی نہیں (سوائے حلالہ کے) جب وہ مولویوں سے مایوس ہوئے تو خود کتابیں دیکھنا شروع کیں۔ جوئندہ یابندہ ② مسئلہ مل گیا ان کی خواہش کے موافق ایک کتاب مل گئی وہ ترجمہ ہے کسی کتاب کا ایک مسٹر کا کیا ہوا سنیئے گا تو معلوم ہوگا کہ اُس میں کیا گت بنی مسئلہ کی۔ اندھے کی کھیر والا قصہ ہوگیا کہ ایک مادرزاد نابینا تھے لڑکوں کو پڑھایا کرتے تھے ایک دن ایک لڑکے نے کہا حافظ جی آج ہمارے یہاں آپ کی دعوت ہے کہا کیا کھلاؤ گے؟ کہا کھیر کہا کھیر کیسی ہوتی ہے؟ کہا سفید کہنے لگے سفید کس کو کہتے ہیں؟ کہا جیسے بگلا پوچھا بگلا کیسا ہوتا ہے؟ لڑکے نے ہاتھ کھڑا کر کے اور ان پونچے کو جھکا کر اس کی شکل بنا کر بتایا کہ بگلا ایسا ہوتا ہے حافظ جی نے ٹٹولا تو ہاتھ کھڑا ہوا اور ٹیڑھا معلوم ہوا کہا میں دعوت قبول نہیں کرتا۔ ٹیڑھی کھیر کیسے کھاؤں گا یہ حلق میں کیسے

① دو تین دفعہ بیان کر چکا ہوں ② ڈھونڈے گا تو کچھ مل ہی جائے گا۔

اُترے گی۔ دیکھئے کھیر کی شرح کی گئی سفیدی اور سفیدی کی بگلے سے اور بگلے کی ٹیڑھے ہاتھ سے تو نوبت کہاں تک پہنچ گئی کہ حافظ جی کھیر سے ڈر گئے کہ ایسی ٹیڑھی کھیر کیسے کھائی جائیگی؟ کیا گت بنی کھیر کی یہی گت بنی ہے دین کی آجکل کے ترجموں سے۔ غرض وہ حضرت وہ ترجمہ لیکر میرے پاس آئے کہ اس میں ایک فصل اس بیان میں تھی کہ فلاں فلاں شخص کی طلاق نہیں پڑتی منجملہ ان کے اس میں لکھا تھا کہ متعجب کی طلاق نہیں پڑتی۔ پھر اُس شخص کو جس نے طلاق دی تھی متعجب بنانے کیلئے ایک واقعہ بیان کیا کہ طلاق کی بناء یہ ہوئی ہے کہ میاں کی بی بی اور ماں میں کسی بات پر جھگڑا ہوا ماں نے میاں سے شکایت کی اس کو بی بی کی اس خلاف توقع حرکت پر تعجب ہوا اور تعجب کی حالت میں طلاق دے دی تو تعجب کی حالت میں طلاق دی گئی اور کتاب کھول کر دکھائی کہ بحالت تعجب طلاق واقع نہیں ہوتی میں نے کہا یہ مسئلہ بالکل غلط لکھا ہے اور لطف یہ کہ حوالہ بھی فقہ کی کتابوں کا دیا ہوا ہے۔

ترجمہ کی غلطی

پھر میں نے غور کیا تو سمجھ میں آیا کہ حوالہ تو صحیح ہے مگر ترجمہ میں غلطی ہوئی۔ ساری خرابی ترجمہ کی ہے۔ اصل مسئلہ کتاب میں یہ ہے کہ مدہوش کی طلاق نہیں پڑتی۔ مدہوش اُس متحیر کو کہتے ہیں جس کو اتنا ہوش نہ ہو کہ میں کیا کہہ رہا ہوں مثلاً سرسام میں بے ہوش ہو یا نیند میں ہو اور ہوش وحواس ایسے خراب ہو گئے ہوں کہ مطلق تمیز نہ ہو کہ میں کیا کہہ رہا ہوں مترجم نے مدہوش کا ترجمہ کہیں متحیر دیکھا اور متحیر کا ترجمہ متعجب سے کر دیا اس سے مسئلہ کچھ سے کچھ ہو گیا۔ یہ بالکل اس کی نظیر ہوئی یا نہیں کہ کھیر کی شرح کی گئی سفیدی اور سفیدی کی بگلے سے اور بگلے کی ٹیڑھے ہاتھ سے نتیجہ یہ ہوا کہ کھیر ٹیڑھی ہوگئی۔ یہ ان ترجموں کی حالت ہے جو بڑی لیاقت والوں کے کئے ہوئے ہیں اور اُن لوگوں کے ترجموں کا تو کیا پوچھنا ہے جو اتنی لیاقت بھی نہیں رکھتے اب فرمایئے کہ جو لوگ بطور خود کتب بینی کا شوق رکھتے ہیں وہ غلطی پر ہیں یا نہیں؟ وہ تو ایسے ہی فتوے دینگے کہ تین طلاق کے بعد بھی عورت حلال ہے۔ یہ دین ہوا یا بے دینی۔ اس سے زیادہ اور کیا ہوسکتا ہے کہ تحلیل حرام ① کی نوبت آگئی اس طرح تو جس چیز کو چاہو حلال کرلو اور جس چیز کو چاہو حرام یہ دین ہوا یا لونڈوں کا کھیل معلوم ہو گیا کہ ترجموں کے دیکھنے سے دین کی اصلاح

① حرام کو حلال کرنے کی

نہیں ہوتی اس تقریر سے یہ استبعاد رفع ہوگیا ہوگا کہ دین کی کتابیں اردو کی دیکھنا اور قرآن کا ترجمہ دیکھنا بعض حالت میں اور بعض شخص کیلئے منع اور حرام بھی ہوسکتا ہے جیسے میں نے ان سے کہا تھا جنہوں نے لفظ راعنا کے متعلق سوال کیا تھا کہ آپ کو ترجمہ قرآن کا دیکھنا منع اور حرام ہے۔ یہ بہت موٹی بات ہے اس کو میں نے شرح وبسط ① کے ساتھ آپ کے سامنے بیان کر دیا قرآن کتاب اللہ بیشک ہے اور ہدایت ہی کیلئے اُترا ہے مگر کیا وہ ایسا سہل ہے کہ اس کے سمجھنے کیلئے کسی لیاقت کی ضرورت نہیں خود انسانوں کی بنائی ہوئی کتابیں تو ایسی سہل ہیں نہیں مثلاً طب یا ڈاکٹری کی کتابیں کہ کوئی انکو بطور خود دیکھ کر کام نکال لے پھر کتاب اللہ ایسی سہل② کیسے ہوجائیگی؟ اس واسطے منع کیا جاتا ہے اس کے دیکھنے سے۔

اصلاح کا صحیح طریقہ

ہاں اگر ایسا ہی شوق ہے کتاب اللہ کا تو اس کو کسی محقق متورع مولوی سے پڑھئے اس صورت میں غلطی نہ ہوگی اور جو غرض ہے اس سے یعنی ہدایت وہ حاصل ہوگی اسکو کوئی منع نہیں کرتا اور بلا اس طریق کے کتاب اللہ کو دیکھنے سے اس کے صحیح معانی کی طرف رسائی نہیں ہوسکتی جب صحیح معانی کی طرف رسائی نہ ہوئی تو اسکا اتباع کتاب اللہ کا اتباع کیسے ہوگا؟ اور ہدایت موقوف ہے اس کے اتباع پر بلکہ اس صورت میں اتباع اپنی رائے کا ہوگا اور وہ موجب ہے ضلالت کا غرض یہ بے قاعدہ دیکھنا کتاب اللہ کا موجب ہوگا ضلالت کا۔

خلاصہ یہ کہ بدون شہادت کے نہ کسی کتاب کے دیکھنے پر اعتماد کیا جاسکتا ہے نہ رائے پر نہ قیاس پر اعتماد صرف وحی پر کیا جاتا ہے وہ بھی جبکہ وحی کو اصول صحیحہ سے سمجھے۔ میں شروع سے یہی کہہ رہا تھا کہ بدون وحی کے یہ ثابت نہیں ہوسکتا کہ حق تعالیٰ کس سے راضی ہیں اور کس سے ناراض بعنوان دیگر ایسی حالت بلا تعلیم وحی کے نہیں بنائی جاسکتی جس سے خدا راضی ہو اور ایسی حالت بنانے کا حکم ہے پس وحی کا اتباع لازم ہوا پھر اسمیں لوگ جو طرح طرح کی غلطیاں کرتے ہیں۔ میں نے ان میں سے بعض غلطیوں کو بیان کر دیا مثلاً اصلاح کا طریقہ یہ اختیار کرنا کہ احکام کے حسن کو عقل سے ثابت کرنا بایں معنی کہ عقل کو مقدم رکھا جائے نقل پر۔ یا ترجموں کے دیکھنے کو اصلاح

---

① خوب وضاحت سے ② آسان

حالت کیلئے کافی سمجھنا یہ طریقے غلط ہیں صحیح طریقہ یہی ہے کہ جس کے راضی کرنے کی ضرورت ہے اسی سے اس کی رضا کے طریقے بھی معلوم کئے جائیں اور اسکا ذریعہ دلائل صحیحہ سے وحی ہے تو ضرورت ہوئی تمسک ① بالوحی کی پھر اُس سے تمسک کرنا موقوف ہے خاص اصول پر اس لیے ان صول پر وحی کا اتباع ضروری ٹھہرا۔ یہ حق تعالیٰ کا احسان ہے کہ جب امر فرمایا اصلاح حالت کا تو اس کے طریقے بھی خود ہی بیان فرما دیئے کہ وہ کون سے اوصاف ہیں جن کے اختیار کرنے سے کہا جائے کہ حالت درست ہو گئی ۔ ان اوصاف کا بیان اس آیت میں ہے جس کو اس وقت بیان کے لئے اختیار کیا گیا يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَيَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنكَرِ وَيُسَارِعُونَ فِي الْخَيْرَاتِ وَأُولَٰئِكَ مِنَ الصَّالِحِينَ ② اور اتفاقی تناسب اس میں اور اس کے قبل کے وعظ میں یہ ہو گیا کہ اس سے قبل (پرسوں شب پنجشنبہ میں) جو ایک بیان مستورات کیلئے ہوا تھا اُس میں بھی صالح بننے کا طریقہ مذکور ہوا تھا اور آج کے بیان میں بھی اسی کا طریقہ بیان کیا جائیگا۔فرق اتنا ہے کہ پرسوں کے بیان میں مستورات کیلئے صالح بننے کے طریقہ کا بیان تھا اور آج کے بیان میں مردوں کے لئے اسی طریقہ کا بیان ہو گا پرسوں کی آیت (فَالصَّالِحَاتُ قَانِتَاتٌ الایۃ۱۲) عورتوں کے متعلق تھی اور آج کی آیت میں مردوں کے متعلق ہے گو دونوں وعظوں کے مضامین میں ایک صنف کے ساتھ دوسری صنف بھی شریک ہے جیسا کہ مضامین کے استحضار سے واضح ہوسکتا ہے اُس وعظ کا نام الصالحات رکھا گیا تھا آج کے وعظ کا نام الصالحون ہو تو مناسب ہے ، دوسرا تناسب دونوں بیانوں میں یہ ہے کہ مستورات کی آیت میں گو عنوان میں تخصیص تھی مگر حکم میں تعمیم تھی یعنی اس میں وہ اوصاف بیان ہوئے ہیں جو مردوں کے لئے بھی ضروری ہیں اور عورتوں کے لئے بھی جیسا کہ میں نے اُس روز ثابت کر دیا تھا لیکن بعض ضرورتوں سے الفاظ میں مستورات کی خصوصیت کر دی گئی تھی ۔ ان ضرورتوں کو بھی میں نے اس روز بیان کر دیا تھا حاصل یہ کہ لفظاً مذکور اس آیت میں مستورات ہی ہیں مگر حکم میں تعمیم ③ ہے مردوں اور عورتوں دونوں کیلئے۔ اسی طرح آج کی آیت میں بھی تعمیم ہے حکم میں تو دلیل سے اور عنوان میں بنا بر عادۃ قرآنیہ لفظی ④ دلالت سے

① وحی سے راہنمائی حاصل کرنا ② سورۂ آل عمران: ۱۱۴ ③ حکم عام ہے ④ قرآن کریم کے اسلوب والفاظ سے

بھی پس وہاں تو تعمیم کی تفہیم ① میں کچھ غموض بھی تھا جس کی وجہ سے کچھ مقدمات ممہد ②
کر کے تعمیم کو ثابت کیا گیا تھا اور یہاں تعمیم میں غموض بھی نہیں سوائے اس کے کہ الفاظ
بصیغہ مذکر آئے ہیں سو یہ بات تعمیم فی الدلالۃ ③ کو بالکل مانع نہیں کیونکہ قرآن کا طرز
یہی ہے کہ خطاب تمام احکام کا بصیغہ مذکر کیا جاتا ہے مگر اس میں شمول ④ عورتوں کا بھی
ہوتا ہے۔ اس کا کوئی قائل نہیں کہ جہاں مردوں کو خطاب ہوتا ہے اُس سے عورتیں علیحدہ
ہوتی ہیں تو خطاب بصیغہ مذکر ہونا تعمیم فی الدلالۃ کو اصلا مانع نہیں۔ حاصل یہ کہ اس آیت
کی تعمیم فی الدلالۃ میں بھی غموض نہیں اور اس تعمیم کو ایک خاص دلیل سے اور قوت ہوتی
ہے وہ اس طرح کہ جب اس آیت کا مضمون جس میں صالحات کا لفظ صاف موجود تھا
باوجود تصریح اناث ⑤ کے مشترک تھا تو یہ مضمون جس میں کوئی قرینہ مردوں کی تخصیص
کا بھی نہیں کیوں مشترک نہ ہوگا کیونکہ عرف زبان کا یہی ہے کہ کوئی حکم بیان کرتے وقت
تذکیر ہی کے الفاظ لایا کرتے ہیں مگر وہ حکم مشترک ہوتا ہے مردوں اور عورتوں دونوں
میں مثلاً طب کے مسائل لکھنے میں جہاں ملیں گے الفاظ مذکر ہی ملیں گے اور حکم عام ہوگا
دونوں صنفوں کیلئے اسکی ضرورت نہیں ہوتی کہ ہر جگہ تصریح کی جاوے کہ یہ حکم مرد و
عورت دونوں کے لئے ہے بلکہ عام اصطلاح یہی ہے کہ الفاظ مذکر ہی کے لائے جاتے
ہیں اور تاوقتیکہ تصریح نہ کی جاوے کہ یہ حکم مردوں ہی کیلئے ہے اسوقت تک عورتیں بھی
اس میں داخل رہتی ہیں جب عام عرف یہ ہے اسلئے اس آیت میں بجز تعمیم کے دوسری
طرف ذہن جا ہی نہیں سکتا خصوصاً اس صورت میں کہ آیت سابقہ میں باوجود الفاظ تانیث
موجود ہونے کے بھی تعمیم تھی۔ غرض وہ بیان بھی مشترک تھا مردوں اور عورتوں کے لئے اور
آج کا بیان بھی مشترک ہے دونوں کے لئے یہ دوسرا تناسب ہوا دونوں بیانوں میں یہ مصلحت
اور وجہ نکل آئی اس آیت کے اختیار کرنے کیلئے۔ یہ عجیب اتفاقی تناسب پیدا ہوا ہے کہ
عورتیں مضمون رجال میں شریک اور رجال مضمون عورات میں شریک یہ تمہید ہوئی۔

---

① حکم عام ہونے میں کلام کا سمجھنا کچھ غیر واضح تھا ② مقدمات کی تمہید قائم کر کے مسئلہ کی وضاحت کی تھی
③ یہاں الفاظ مذکر آئے جو واضح طور پر عموم پر دلالت کر رہے ہیں ④ عورتوں کو بھی یہ حکم شامل ہوتا ہے
⑤ عورتوں کی صراحت سے ذکر کرتے ہیں۔

مضمون آیت

اب آیت کا مضمون سنئے فرماتے ہیں یُؤۡمِنُونَ بِٱللَّهِ وَٱلۡيَوۡمِ ٱلۡأٓخِرِ وَيَأۡمُرُونَ بِٱلۡمَعۡرُوفِ وَيَنۡهَوۡنَ عَنِ ٱلۡمُنكَرِ وَيُسَٰرِعُونَ فِي ٱلۡخَيۡرَٰتِۖ وَأُوْلَٰٓئِكَ مِنَ ٱلصَّٰلِحِينَ ① اس کے کچھ اوپر سے کمالات امت محمدیہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے بیان فرمائے ہیں كُنتُمۡ خَيۡرَ أُمَّةٍ أُخۡرِجَتۡ لِلنَّاسِ تَأۡمُرُونَ بِٱلۡمَعۡرُوفِ وَتَنۡهَوۡنَ عَنِ ٱلۡمُنكَرِ وَتُؤۡمِنُونَ بِٱللَّهِ گومومنین کے اوصاف کمال بہت ہیں مگر اس آیت میں بیان ان اوصاف کا کیا گیا ہے جو ام الاوصاف ② ہیں وہ یہ ہیں تَأۡمُرُونَ بِٱلۡمَعۡرُوفِ وَتَنۡهَوۡنَ عَنِ ٱلۡمُنكَرِ وَتُؤۡمِنُونَ بِٱللَّهِ آگے اس امت کے مخالفین اہل کتاب کی مذمت کا بیان ہوا ہے لیکن عادت الٰہیہ یہ ہے کہ مخالفین کی مذمت ③ کے ساتھ مومنین کے استثناء کو بھی ذکر فرما دیتے ہیں یعنی کسی قوم کے لئے کوئی حکم ایسا نہیں فرما دیتے کہ سب اچھوں اور بروں کو عام ہو بلکہ ان میں سے جو برے ہیں ان کے لئے برائی کا حکم فرماتے ہیں اور جو اچھے ہیں ان کے لئے اچھائی کا حکم فرماتے ہیں ہماری طرح نہیں کہ جس قوم سے خفا ہوئے تو ایک عام حکم لگا دیا کہ وہ ساری قوم ایسی ہے کسی شخص کو اس میں سے مستثنیٰ نہیں کرتے اور اگر کسی شخص سے خفا ہوئے تو اسکی ہر بات پر برائی کا حکم لگا دیا گویا وہ سرتاپا عیب ہی عیب ہو گیا کوئی ادا اس کی پسند نہیں رہی۔ اور اگر کسی کو کسی خطا کی معافی بھی دیدیں تو اس میں بھی کچھ نہ کچھ کدورت ④ باقی رہتی ہے ایسا دل صاف نہیں ہوتا جیسا اُس خطا سے پہلے تھا۔

اللہ کی شان استغنیٰ

اور وہاں یہ شان ہے کہ چاہیے کتنی ہی خطائیں کرو اور ایک دفعہ دل سے توبہ کرلو بس راضی ہو جاتے ہیں بلا کسی ناخوشی کے اور ان خطاؤں کو ایسا محو کر دیتے ہیں کہ گویا اس نے کوئی خطا کی ہی نہ تھی اور کسی کو ایک خطا کی وجہ سے ہمہ عیب نہیں ⑤ کر دیتے اور کسی خاص فرد کی خطا سے ساری قوم پر الزام نہیں لگا دیتے دیکھئے اہل کتاب کے بعض آحاد ⑥ کی مذمت بیان فرمائی۔ لیکن ان آحاد کی وجہ سے تمام قوم کو مذموم نہیں کر دیا بلکہ جو بڑے ہیں ان

① ال عمران: ۱۱۴ ② تمام خوبیوں کی اصل ③ برائی ④ کچھ نہ کچھ طبیعت میں سیل باقی رہتا ہے ⑤ ایک کی غلطی سے سب کو مورد الزام نہیں ٹھہراتے ⑥ چند لوگوں کی۔

کی مذمت فرمائی اور جو اچھے ہیں ان کی مدح فرمائی۔ یہ شانِ استغناء ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ حق تعالیٰ کی ذات غنی ہے کسی کی اچھائی اور برائی سے اس پر اثر نہیں پڑتا جو کوئی اچھا یا برا کرتا ہے وہ اپنا نفع یا نقصان کرتا ہے ذات حق کو کوئی تکلیف یا مضرت نہیں پہنچتی۔

ہمارا حال

اور ہم غنی نہیں ہیں کسی کے برا کرنے سے ہم کو تکلیف یا مضرت ① پہنچ سکتی ہے اور اُس پر ہم کو غیظ ② آتا ہے پھر وہ غیظ بعض وقت ایسا عام ہو جاتا ہے کہ حدود کے اندر نہیں رہتا اور معافی مانگنے سے بھی بالکلیہ رفع نہیں ہوتا یا ایک خطا کرنے سے اُسی خطا تک وہ غیظ نہیں رہتا بلکہ اس کے جوش میں اُس خطاوار کے تمام افعال بُرے نظر آنے لگتے ہیں یا ایک شخص خاص کی بُرائی پر وہ غیظ ایسا عام ہو جاتا ہے کہ تمام قوم بُری نظر آنے لگتی ہے اور وہاں یہ بات نہیں چونکہ وہاں استغناء ہے لہٰذا کتنی ہی برائی کی جائے وہاں کوئی اثر نہیں پہنچتا پھر ہمارا سا غیظ آوے تو کیوں آوے وہاں تو استغناء مطلق ہے اگر کسی گنہگار پر باستثناء کافر و مشرک بلا معافی مانگے اور بلا توبہ کے بھی رحمت کر دیں تو ممکن ہے۔

اللہ مستغنی ہے کا بے موقع استعمال

استغناء کے لفظ پر ایک واقعہ یاد آیا جو اکثر واقع ہوتا ہے وہ یہ کہ مثلاً کوئی آدمی جواں مر گیا اُسکے مکان پر تعزیت کے لئے لوگ جمع ہوئے اول سب نے ہمدردی کی کہ بھائی بہت سخت واقعہ ہوا لیکن انسان کے لئے سوائے صبر کے اور کیا چارہ ہے۔ غرض اسی قسم کے الفاظ جو عرفاً کہے جاتے ہیں ادا کئے۔ اس کے بعد ایک صاحب نے اُس میت کے فقدان ③ سے اس کے اہل وعیال پر جو مصیبت نازل ہوئی اس کا ذکر کیا۔ اس کے ساتھ یہ بھی کہا کہ اگر یہ پانچ برس اور زندہ رہتا تو سب بچے بھی پرورش ہو جاتے اب بیچارے بے سہارے رہ گئے۔ اُسکے بعد ایک صاحب نے بطور اسکی علت کے فرمایا کہ خدا کی ذات بے پرواہ ہے وہ جو چاہیں کریں۔ آج کل یہ لفظ ایسے ہی موقعوں پر اکثر استعمال کیا جاتا ہے کہ خدا کی ذات مستغنی یا بڑی بے پروا ہے اور لوگ اس کو کچھ برا نہیں سمجھتے بلکہ اسکو خدا تعالیٰ کیلئے عظمت کا لفظ سمجھتے ہیں۔ صاحبو یہ ایسا سخت

---

① نقصان ② غصہ ③ اس شخص کے مرنے کی وجہ سے

اور بیہودہ لفظ ہے کہ اس کی حقیقت سننے کے بعد آپ کانپ اُٹھیں گے۔ یہ مانا کہ غنی خدا تعالیٰ کی صفت ہے اور یہ سچی بات ہے کہ خدا تعالیٰ کی ذات مستغنی اور بے پروا ہے لیکن یہ الفاظ ان موقعوں پر جن معنی میں استعمال کئے جاتے ہیں وہ معنی غنا کے ہرگز نہیں ہیں اور وہ استغناء خدا تعالیٰ کیلئے ثابت نہیں کیونکہ آجکل اس کا استعمال ایسے موقع پر کیا جاتا ہے جو نہایت دردناک اور مصائب کا مجموعہ اور سطحی نظر میں مصالح کے منافی ① ہو مثلاً کوئی جوان موت ہوئی اور بہت سے بچے کچے رہ گئے جن کا اب کوئی والی وخبر گیران ② نہیں۔ان کی حالت دیکھ کر دل پگھلتا ہے اور رونا آتا ہے اس وقت بطور تعجب کہتے ہیں خدا کی ذات بڑی بے پروا ہے جس کا مطلب بطور لزوم ③ کے یہ ہوتا ہے کہ وہاں کوئی قاعدہ نہیں جو چاہا کر دیا۔ صاحبو یہ بات دو وجہ سے ہوسکتی ہے یا تو یہ کہ وہاں رحم نہیں یا یہ کہ کوئی انتظام نہیں جو ہو گیا سو ہو گیا کیا یہ دونوں باتیں غلط نہیں۔ خود انھیں لوگوں سے پوچھئے جو ایسے الفاظ کہتے ہیں کہ خدا تعالیٰ رحیم ہیں یا نہیں جواب یہی ملے گا کہ ہیں تو یہ شق تو گئی گزری ہوئی کہ ایسے واقعات اس وجہ سے ہوتے ہوں کہ حق تعالیٰ تو رحیم نہیں ۔ اب وہ دوسری شق رہ گئی کہ شاید وہاں کوئی انتظام نہیں سو یہ شق بھی باطل ہے اس واسطے کہ ایسا ہونا جب ہی ممکن ہے جبکہ وہاں علم وقدرت وحکمت نہ ہو اور یہ سب جانتے ہیں کہ حضرت حق کو علم بھی ہر چیز کا ہے اور قدرت بھی ہر قسم کی ہے اور حکیم بھی بڑے ہیں خود وہ لوگ بھی اس کے خلاف نہیں کہہ سکتے جو ایسے کلمات بے دھڑک کہہ بیٹھتے ہیں۔ جب یہ صورت ہے تو بدنظمی کیسی۔ غرض نہ تو ایسے واقعات بے رحمی کی وجہ سے ہو سکتے ہیں ۔نہ بدنظمی کی وجہ سے تو اب اس لفظ کے کیا معنی ہوئے کہ خدا کی ذات بڑی مستغنی ہے؟ سوا اس کے کہ اس لفظ سے گویا شکایت واعتراض کا اظہار کیا جاتا ہے جو حق تعالیٰ کے افعال کے متعلق اپنے دل میں ہے اور یہ اسی کا مصداق ہوا کہ أَتَقُولُونَ عَلَى ٱللَّهِ مَا لَا تَعۡلَمُونَ ④ اب فرمائیے یہ لفظ بیہودہ ہے یا نہیں اور یہ بے ادبی ہے یا نہیں؟ اس کو لوگ بلا سوچے سمجھے کہہ بیٹھتے ہیں اور یہ سمجھتے ہیں کہ ہم نے ایک اچھی بات حق تعالیٰ کی طرف منسوب کی کیونکہ غنی خدا تعالیٰ کی صفت ہے۔سو یہ لفظ صورت اچھا اور صحیح ہے لیکن

---

① مصلحتوں کے خلاف ② کوئی نگران اور دیکھنے والا نہیں ③ جس سے یہ لازم آتا ہے ④ کیا اللہ کے بارے میں ایسی بات کہتے ہو جو تم جانتے نہیں۔

درحقیقت یہ کلمہ حق ارید بہ ① الباطل کا مصداق ہے۔ غنی صفت خدائے تعالیٰ کی بیشک ہے لیکن اس کے معنی وہ نہیں ہیں جسمیں یہ لوگ اُسکو استعمال کرتے ہیں یہ تو شکایت کو اس مہذب لفظ سے ظاہر کرتے ہیں۔

شریعت نے ہر چیز کی تعلیم دی ہے

سچ یہ ہے کہ بدون دین کے ہگنا موتنا چلنا پھرنا بولنا چاہنا کچھ بھی نہیں آتا۔ شریعت ہی ہم کو ایسی چیز دی گئی ہے کہ جسمیں ہر بات کی ایسی تعلیم موجود ہے کہ تمام دنیا کے عقلاء ملکر ایسی تعلیم نہیں تجویز کر سکتے مگر کیا کیا جائے دین کا سیکھنا ہی لوگوں نے چھوڑ دیا۔ حتی کہ یہ خیال دل میں جم گیا کہ دنیا کی باتوں اور معمولی کاموں سے شریعت کو کیا علاقہ ② یہ تو ایسی چیزیں ہیں جن کو ہم اپنی عقل اور تجربہ سے معلوم کر سکتے ہیں بہت سے تعلیم یافتہ یہ کہتے ہیں کہ دنیا کے کاموں میں فتوے لگانا مولویوں کی ایجاد ہے۔ شریعت میں کہیں یہ فتویٰ نہیں۔ شریعت نے صرف مذہبی تعلیم دی ہے اور آخرت کے کاموں کو بیان کیا ہے اور دنیا کے کاموں میں ہم کو آزاد چھوڑ دیا ہے کہ جیسا موقع دیکھو ویسا کرلو۔ صاحبو میں کیا کہوں تفصیل کا موقع نہیں ورنہ دکھلا دیتا کہ شریعت نے ہم کو ہر بات کا ایک قانون بتایا ہے اور آپ کے ذہن میں جو خیال بیٹھ گیا ہے اُس کی وجہ دین سے ناواقفیت اور جہل ہے ورنہ ذرا سی بھی واقفیت ہونے کے بعد آپ یہ نہیں کہہ سکتے کہ دین میں دنیا کی باتوں کی تعلیم نہیں۔ دیکھئے دنیا کی باتوں میں سے معاملات ہیں معاشرات ہیں حقوق ہیں کیا انکا بیان شریعت کی کتابوں میں نہیں ہے؟ کتابوں کو اُٹھا کر دیکھئے عقائد اور عبادات کے جزو سے زیادہ جزو غالباً انہیں کا ملے گا پھر یہ کہنا زبردستی نہیں تو اور کیا ہے کہ شریعت میں صرف دیانات ③ کی تعلیم ہے دیکھئے معاشرت کے متعلق یہ تعلیم موجود ہے احبب حبیبك هوناً ماعسٰی ان یکون بغیضك یوماً ما وابغض بغیضك هوناً ما عسٰی ان یکون حبیبك یوما ما۔ یعنی کسی سے دوستی کرو تو اوسط درجہ کی کرو کیونکہ ممکن ہے کہ اُس سے کبھی مخالفت ہو جائے اور کسی سے دشمنی کرو تو اوسط درجہ کی کرو ممکن ہے کہ اس سے کبھی دوستی ہو جائے۔ سبحان اللہ! کیا تعلیم ہے جس کی خوبی بیان کرنے کی حاجت

---

① کلمۂ تو حق ہے لیکن ارادہ غلط ہے ② شریعت کو کیا واسطہ ③ عبادات۔

نہیں۔ یہ اپنی جماعت کے ساتھ تعلق رکھنے کے متعلق تعلیم ہے اور دیگر اقوام کے ساتھ تعلق رکھنے کے متعلق سنئے وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰٓى اَلَّا تَعْدِلُوْا ① یعنی کسی قوم کی عداوت اس کا سبب نہ ہو جائے کہ تم عدل یعنی حدودشرعیہ کو چھوڑ دو۔ اس سے معلوم ہوا کہ ان معاشرات کے لیے بھی حدود ہیں پھر کیسے کہا جا سکتا ہے کہ شریعت نے ہم کو بعض کاموں میں آزاد چھوڑ دیا ہے۔ یہ دونوں تعلیمیں اس چیز کے متعلق ہیں جس میں آجکل لوگوں کو بڑا دعویٰ ہے اور جس کو کہا جاتا ہے کہ اس میں آجکل بڑی اصلاح ہوگئی ہے اور بہت بڑی ترقی ہوگئی ہے جس کا نام تمدن ہے جس کے متعلق بہت لوگوں نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ اس کی تعلیم شریعت میں نہیں ہے اور جس کے متعلق خیال ہے کہ ہماری عقل اس کی اصلاح کے لئے کافی ہے۔ دیکھئے شریعت میں اس کے متعلق کیسی تعلیم موجود ہے؟ اب یہ خیال کہاں تک صحیح ہے کہ شریعت میں بعض تعلیمیں نہیں ہیں۔ شریعت میں ہر ضروری چیز کی تعلیم موجود ہے۔ شریعت نے ہر ضروری بات کی تعلیم دی ہے۔ محبت کا طریقہ بھی بتلایا اور عداوت کا طریق بھی۔ اس کے لئے بھی کچھ حدود قائم کئے اور اس کے لئے بھی۔

شریعت میں رعایت حدود

غرض ہر چیز کے حدود قائم کئے ہیں یہ دو نظیریں② ایسی بتلائی گئی ہیں جن کے متعلق ہم بھی تسلیم کرتے ہیں کہ ان کیلئے کچھ حدود ہونے چاہئیں اور یہ دونوں علی الاطلاق محمود نہیں اور اگر غور سے دیکھئے تو شریعت میں ان کاموں کے بھی حدود ملیں گے جن کو علی الاطلاق محمود سمجھا جاتا ہے اس سے پتہ چلتا ہے کہ شریعت کی نظر کس قدر عمیق ہے کہ وہاں پہنچتی ہے جہاں آپکا وہم بھی نہیں پہنچتا مثلاً خوف خدا کہ عام طور سے محمود③ کہا جاتا ہے کہ خوف خدا اچھی چیز ہے اور کوئی قید یا حد اس کے لئے ہونی چاہئے لیکن شریعت نے اس کے لئے بھی ایک حد مقرر فرمائی ہے۔ چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ سلم فرماتے ہیں نسئلك من خشيتك ما تحول به بيننا وبين معاصيك یعنی ہم خوف اتنا چاہتے ہیں جس کی وجہ سے معاصی ہم سے یعنی چھوٹ جائیں یہ حد ہوئی خوف کی اس سے زیادہ مطلوب نہیں چنانچہ بعض وقت خوف اتنا بڑھ جاتا ہے کہ کہ آدمی مرجاتا ہے یا

① المائدہ:۸ ② مثالیں ③ اچھا سمجھا جاتا ہے

مغفرت سے مایوسی کی نوبت آجاتی ہے سو وہ درجہ مطلوب نہیں دیکھئے۔ یہ ایسی چیز کی حد ہے جس کو علی الاطلاق محمود سمجھا جاتا ہے۔ شریعت کی نظر حقیقت پر ہے ہم لوگ خوف کو فی نفسہٖ مطلوب سمجھتے ہیں مگر شریعت رہبری کرتی ہے کہ خوف مطلوب لغیرہ ① ہے یعنی ترک معصیت کے لئے جب اس سے بڑھ جائے تو مطلوب نہیں ایک نظیر اور لیجئے وہ اس سے بھی بڑھ کر ہے اسمیں تو یہ بات آسانی سے سمجھ میں آجاتی ہے کہ مطلوب لغیرہ ہے لیکن جو دوسری نظیر میں پیش کرونگا اس میں بتلانے سے پہلے ذرا آپ غور کرلیں کہ کوئی حد ذہن میں آسکتی ہے یا نہیں؟ ہرگز نہیں آئیگی وہ کیا ہے شوق لقاء اللہ ② اس کا ترجمہ عشق الٰہی سے کرنا بہت مناسب ہے اس کے لئے کوئی حد کسی کے ذہن میں نہیں ہوگی چنانچہ اہل اللہ کی فضیلت میں بیان کیا جاتا ہے کہ فلاں صاحب ہمہ تن غرق تھے ③ عشق خداوندی میں اور محو تھے عشق الٰہی میں اور دنیا ومافیہا سے ④ بے خبر تھے۔ غرض یہ ایسی چیز مانی جاتی ہے کہ جس درجہ میں بھی ہو اُس کو محمود اور مطلوب سمجھا جاتا ہے لیکن شریعت نے اسکی بھی حد بیان فرمائی ہے۔ جہاں شوق الی لقاء اللہ کی دعا ہے وہاں دو حدیں بھی اس کی بیان فرمائی ہیں وہ یہ ہیں فی غیر ضراء مضرة ولا فتنة مضلت یعنی شوق لقاء اللہ ہو مگر اس کے ساتھ نقصان دینے والی مضرت گمراہ کرنے والا فتنہ نہ ہو یعنی محبت اس درجہ نہ بڑھ جائے کہ ان دونوں کی نوبت آجائے۔ یہ بالکل نئی سی بات معلوم ہوتی ہے کہ عشق الٰہی کیلئے بھی کوئی حد مقرر کیجائے۔

ضراء مضرہ کی مراد

لیکن جب آپ اسکی تحقیق سنیں گے تو یہ تعجب جاتا رہیگا۔ یہ تحقیق علما ظاہر کا حصہ نہیں ہے۔ اسکو صوفیہ سے پوچھو وہ ان دونوں نقصانوں کو بیان کرتے ہیں ضراء مضرہ کا بیان یہ ہے کہ شوق میں حرارت بڑھتی ہے اور یہ جب حد افراط ⑤ کو پہنچ جاتا ہے تو حرارت بدن کو گھلا دیتی ہے حتی کہ رطوبات اصلیہ ⑥ تک تحلیل ہونے لگتی ہیں اس سے بیماری کی نوبت آجاتی ہے اور بہت سے اعمال سے آدمی رہ جاتا ہے اور یہ حالت ہوتی ہے کہ پہلے نماز کھڑے ہو کر پڑھتا تھا اب بیٹھ کر پڑھنے کی نوبت آگئی پھر بیٹھ کر بھی

---

① خوف ایک دوسری حاصل ہونے کے لیے مطلوب ہے ② اللہ سے ملاقات کا شوق ③ ڈوبے ہوئے تھے ④ دنیا اور اس میں موجود سب چیزوں سے بے خبر تھے ⑤ جب اس کی زیادتی ہوجاتی ہے ⑥ جسم میں موجود رطوبتیں جن پر حیات موقوف ہے گھلنے لگتی ہیں۔

نہیں پڑھی جاتی لیٹ کر پڑھنے لگے اور وہ حرارت دم بہ دم ① بڑھتی جاتی ہے وہ ایسی چیز نہیں ہے کہ کم ہو حتی کہ رطوبات تحلیل ہوگئیں اور دم نکل گیا بس خاتمہ ہوگیا اور سارے اعمال بند ہوگئے۔ اگر زندہ رہتے تو نماز روزہ تلاوت سب اعمال بڑھتے رہتے اور ان کے مدارج بڑھتے رہتے یہ سب ندارد ہوگئے غرض یہ نقصان پہنچا۔ عمر گئی ہوئی پھر کہاں آتی ہے۔ یہ مراد ہے ضراء مضرہ سے کہ اتنا شوق نہ ہو کہ جسم کو مضرت ② پہنچے۔ یہ نقصان دنیا کا نہیں ہے بلکہ دین کا ہے کیونکہ دین تو اعمال ہی کا نام ہے اور وہ جسم کی بقاء پر موقوف ہیں اور افراط شوق سے جسم باقی نہیں رہتا تو اعمال واقع نہیں ہوتے اور دین کا نقصان ہوتا ہے اس واسطے اس سے پناہ مانگی ہے۔ ایک حد تو یہ ہوئی۔

فتنہ مضلہ کی حقیقت

دوسری حد فتنہ مضلّہ ہے اسکا بیان بھی اہل ظاہر نہیں کر سکتے پھر صوفیہ کے پاس چلو۔ صوفیہ کہتے ہیں کہ جب شوق حد سے بڑھتا ہے تو ادب نہیں رہتا اور اس سے بے تکلفی اور اس کے بعد گستاخی کی نوبت آجاتی ہے اور یہ مضر ③ ہے کیونکہ کہاں بندہ کہاں خدا کہاں حادث کہاں قدیم ④ کہاں فانی کہاں باقی دونوں میں کیا مناسبت کیسی بے تکلفی؟ برابر والوں کے ساتھ ہوا کرتی ہے گو لوگ گستاخی اور بے تکلفی کے کلمات بکنے کو کمال سمجھتے ہیں اور کہتے ہیں فلانے مست ہیں اور مجذوب ہیں اور خدا کے پیارے ہیں۔ صاحبو یہ خیال اُسی وقت تک ہے جب تک کہ اسکی حقیقت ذہن میں نہیں آتی۔ اور اسکی حقیقت اُسوقت ذہن میں آسکتی ہے جبکہ اپنی نسبت حق تعالیٰ کے ساتھ ذہن میں آوے۔ سو بندہ کو خدا کے ساتھ کیا نسبت۔ اس کی کوئی نظیر نہیں ہے جس کو بیان کر کے سمجھایا جاوے اور اس نظیر سے یہ نسبت کچھ ذہن میں آسکے بلاتشبیہ یوں سمجھ لیجئے کہ ایک ادنی درجہ کا بندہ نجاست میں آلودہ، بھنگی، چمار۔ ایک ہفت اقلیم ⑤ کے بادشاہ کے ساتھ دعویٰ محبت کا کرے اور بے تکلفی و گستاخی کے الفاظ بکنے لگے۔ یہ بھی ایک بالکل ناتمام اور کالعدم نظیر ہے کیونکہ بھنگی یا چمار گو کیسا ہی ذلیل خوار۔ گندہ اور بری حالت میں ہے

---

① رفتہ رفتہ ② اتنا شوق نہ ہو جس سے جسم کو نقصان پہنچے ③ نقصان دہ ④ کہاں فنا ہونے والا اور کہاں ہمیشہ رہنے والی ذات ⑤ جس کے پاس ساتوں سمندروں کی حکمرانی ہو۔

لیکن بادشاہ کے ساتھ بہت سی باتوں میں مجانست ① اور مناسبت اور مشابہت رکھتا ہے مثلاً انسان وہ بھی ہے اور یہ بھی جس طرح ماں باپ سے وہ پیدا ہوا ہے یہ بھی پیدا ہوا ہے جس طرح وہ کھاتا پیتا ہے اسی طرح یہ بھی۔ غرض بہت سی باتوں میں اُسکو مماثلت ہے اور جس کے واسطے یہ نظیر دی گئی ہے یعنی بندہ اور خدا۔ اُن دونوں میں کسی بات میں بھی مماثلت نہیں تو ایسی صورت میں یہ نظیر بالکل بیکار اور کالعدم ہے لیکن کیا کیا جاوے حقیقی نظیر تو کوئی ہو ہی نہیں سکتی لہٰذا تقریب الی الفہم ② کیلئے اسی کو پیش کیا جاتا ہے۔ اس نا تمام نظیر ہی میں فرمایئے کہ کیا کوئی عقلمند اس کو معذور سمجھے گا؟ اور اس بے تکلفی کو اُسکے لئے کمال کہے گا۔ اور کیا اُس صاحب جلال و جمال بادشاہ کو اس پر غیظ نہیں آئیگا؟ سوائے اثبات کے جواب نفی میں نہیں ہوسکتا تو اب میں کہتا ہوں۔ صاحبو ذرا ہوش کی باتیں کرو کہاں بندہ اور کہاں ذات حق جل جلالہٗ اپنے سے برابر والے اور اپنے ہم جنس محبوب کے ساتھ بھی بے تکلفی کے کلمات کہنا بعض وقت باعث ملال خاطر ہو جاتا ہے پھر کہاں وہ محبوب جس سے بندہ کو کوئی تعلق سوائے تعلق تبائن کے نہیں اور کسی قسم کی مناسبت اور مجانست اور مشابہت نہیں اُسکے ساتھ گستاخی جس قدر بری ہوسکتی ہے وہ ظاہر ہے محتاج بیان نہیں۔

مجذوبوں کے ساتھ گستاخی نہ کرنے کی وجہ

یہ اور بات ہے کہ مجاذیب کے ساتھ برا معاملہ نہیں کرنا چاہئے سو اس کی وجہ یہ نہیں ہے کہ یہ گستاخی اور بے ادبی کے کلمات ان کے واسطے باعث فضیلت ہیں اور اس کی وجہ سے وہ مقرب ہو گئے ہیں اور ان باتوں میں انکی نقل کرنا کسی کو روا ہو ③ وہ ان باتوں میں بوجہ بیہوشی کے معذور ہیں شریعت نے ان کو مرفوع القلم ④ کر دیا ہے۔ ان کے ساتھ برا معاملہ کرنے کی اجازت نہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ ان پر عشق الٰہی کا استیلاء ⑤ ہو گیا ہے خواہ وہ کسی صورت سے ہو اسلئے کسی کو اجازت نہیں ہے کہ ان کی تحقیر کرے یا انھیں ایذا پہنچائے۔ جب شریعت ہی انکو مرفوع القلم کہتی ہے اور ایسی سخت باتوں پر ان سے گرفت نہیں کرتی تو دوسرے کسی کو کیا منصب ہے، کہ ان کو ستائے۔ یہ مختصر بیان ہے مجاذیب کا اور یہ ذکر اُن مجذوبوں کا ہے جو واقعی مجذوب ہیں اس سے مراد میری

---

① بادشاہ کا ہم جنس تو ہے ② سمجھانے کی غرض سے ③ جائز ④ ان پر حکم نہیں لگایا ⑤ عشق الٰہی میں ڈوبے

متصنعین ① نہیں ہیں جو بتکلف مجذوب بنتے ہیں۔ یہاں طول کا موقع نہیں صرف یہ بتلاتا ہے کہ مجاذیب معذور ہیں کیونکہ وہ ہوش نہیں رکھتے۔ اور کوئی صاحب ہوش ایسے کلمات میں معذور نہیں ہوسکتا۔ یہ اگر ایسے کلمات بکے گا تو سخت مجرم ہوگا اور دین اس کا غارت ہوجائے گا۔ یہ خرابی ہے شوق کے حد افراط میں پہنچ جانیکی تو کثرت شوق بھی ایک درجہ میں مضر ہوئی۔ اب آپ کا تعجب جاتا رہا ہوگا کہ کیا عشق الٰہی کی بھی کوئی حد ہوسکتی ہے؟۔

محبت اور خوف کی حد

اس سے ثابت ہوگیا کہ شریعت نے محبت کی بھی حد مقرر کردی ہے اور خوف کی بھی اور حاصل ان حدود کا یہ ہے کہ نہ جسم کے لئے مضر ہو اور نہ ایمان کے لئے۔ جب ان دو چیزوں کیلئے بھی حد ہوئی جن کو علی الاطلاق محمود کہا جاتا ہے۔ تو ان چیزوں کے لئے جن کو ہم خود بھی سمجھتے ہیں کہ علی الاطلاق محمود نہیں ہیں کیسے حدود نہ ہونگے؟ ظاہر بات ہے کہ ضرور ہونگے۔ غرض شریعت نے ہر کام کیلئے حدود مقرر کئے ہیں جب تک وہ کام اس حد کے اندر ہے محمود ہے اور جب اُس سے متجاوز ہو جائے تو مذموم ہے۔ پس افراط بھی ایسا ہی مذموم ہے جیسے تفریط ②۔ اسی بارے میں لوگوں کو ایک دھوکا ہوتا ہے یعنی باوجود اس بات کو تسلیم کرنے کے کہ ہر کام کی کوئی حد ہے پھر بھی لوگ جو اُس کام کو بڑھا دیتے ہیں اس کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ دیکھتے ہیں کہ وہ کام کسی خاص مقصود میں معین ہے پس اس صورت میں اس کے محدود کرنے کو مخل فی المقصود سمجھ لیتے ہیں میں ان کی غلطی بتلاتا ہوں میں پوچھتا ہوں کہ اس مقصود کا اور اس کام کے علی الاطلاق معین ہونے کا علم حق تعالیٰ کو تھا یا نہیں؟ کوئی مسلمان نہیں کہ سکتا کہ حق تعالیٰ کو علم نہ تھا۔ جب علم تھا تو پھر اس کام کو محدود کیوں کیا؟ اس سے پتہ چل سکتا ہے کہ ہمارے ہی سمجھنے میں کچھ غلطی ہے وہ غلطی یہ ہے کہ ہم نے یہ سمجھا کہ یہ کام اپنی حد کے اندر اس مقصود میں معین نہیں ہوسکتا۔ بس یہ غلطی ہے اس کا علم خدا تعالیٰ کو بھی تو تھا کہ یہ اس حد کے اندر معین فی المقصود ③ ہوگا یا نہیں۔ اگر اس حد کے اندر رہ کر علم الٰہی میں معین نہ ہوتا تو کیوں وہ حد مقرر فرماتے؟ اور جب حق تعالیٰ نے وہ حد مقرر فرمائی ہے تو اس سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ علم الٰہی میں وہ اسی حد کے اندر معین فی المقصود ہے اور آپ اپنے علم میں ایسا نہیں سمجھتے تو یہ

① بتکلف مجذوبوں کی شکل بنانے والے ② زیادتی بھی ایسی ہی بری ہے جیسی کمی ③ اس کی حد مقرر کرنے کو حصول مقصود میں رکاوٹ سمجھنے پر ④ اس حد میں رہتے ہوئے مقصود کے لیے معین ہوگا یا نہیں۔

معارضہ ہوا حق تعالیٰ کے علم کے ساتھ اور یہ دعویٰ ہوا حق تعالیٰ کے سامنے اپنے علم کے کمال کا غور کیجئے کہ یہ کس درجہ شنیع بات ہے ①۔ بندہ اور دعویٰ کرے علم کا حق تعالیٰ کے سامنے یہ راستہ ہی غلط ہے صحیح راستہ صرف یہ ہے کہ اپنے علم اور اپنے ارادہ کو فنا کردے حضرت حق کے سامنے۔لوگ مقصود مقصود پکارتے پھرتے ہیں کیا چیز ہے مقصود؟ مقصود وہی ہے جو ان کو مقصود ہو

مصلحت دید من آنست کہ یاران ہمہ کار　　بگذارند و خم طرۂ یارے گیرند ②

خلیل آسا در ملک یقین زن　　نوائے لا احب الآفلین زن ③

اسکو شاید کچھ لوگ اشعار پیش کرنے کی وجہ سے شاعری کہیں۔

مقصود حکم الٰہی کا اتباع

اس واسطے میں ایک واقعہ حدیث کا نقل کرتا ہوں اُس سے میرے دعویٰ کی تصدیق ہوگی کہ اپنی رائے سے مقصود کی رعایت کوئی چیز نہیں صرف حکم شرعی کو دیکھنا چاہئے۔ حضرت اسامہؓ کا قصہ ہے کہ جہاد میں انھوں نے ایک کافر پر قابو پایا اور قتل کرنے کو تلوار اٹھائی اس نے فوراً کلمہ پڑھ لیا انھوں نے یہ سمجھ کر کہ وہ دل سے مسلمان تھوڑا ہی ہوا ہے اُس نے جان کے خوف سے زبان سے کلمہ پڑھ لیا ہے اس کو قتل کر دیا حضور نے اس پر فرمایا ’’ھلا شققت قلبہ‘‘۔یعنی تم یہ کیسے کہتے ہو کہ اُس نے صرف زبان سے کلمہ پڑھ لیا دل سے نہیں پڑھا؟ کیا تم نے دل کو چیر کر دیکھا ہے؟۔اس حدیث سے یہ قانون مقرر ہو گیا کہ جب کوئی کافر کلمہ پڑھ لے خواہ اُس نے بناوٹ ہی سے پڑھا ہو اس کو قتل نہیں کرنا چاہئے۔ اور یہ قانون ظاہراً دین کو نیز دین کی حکومت کو ڈبو دینے والا ہے اس سے ایسی بات کفار کے ہاتھ لگ گئی کہ پہلے مقابلہ کریں اور لڑیں اور مسلمانوں کو جانی و مالی نقصان پہنچادیں اور جب مسلمانوں کا پلہ بھاری دیکھیں اور خود ہارنے لگیں اور دیکھیں کہ اب ہم بھی قتل کئے جائیں گے بس فوراً دھوکا دینے کے لیے کلمہ پڑھ لیں اور ان کی جان چھوٹ جائے۔ہم پھر کچھ کر ہی نہیں سکتے اور وہ اس کے بعد یہ کر سکتے ہیں کہ جب ہمارے ہاتھ سے چھوٹ جائیں تو پھر وہی قتل وقتال کریں اور ہم کو نقصان پہنچائیں کیونکہ کلمہ تو صرف دھوکا دینے کیلئے پڑھا تھا۔ پھر دوبارہ بھی اگر ایسی ہی صورت پیش آوے کہ مغلوب ہونے لگیں تو اسی طرح دھوکا دینے کیلئے پھر کلمہ پڑھ لیں۔

① کتنی بری بات ہے ② میرے نزدیک مصلحت یہ ہے کہ جو محبوب چاہے وہ کرو باقی سب چھوڑ دو ③ خلیل یعنی دوست تو وہی ہے جس کا یقین پختہ ہو اور اس کے منہ سے یہ نکلے کہ میں ڈوبنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔

غرض اسی طرح جب تک چاہیں نقصان پہنچاتے رہیں ہم کچھ بھی نہیں کر سکتے۔ دیکھ لیجئے یہ قانون عام عمل میں کیسا مضر ہے لیکن اس مضرت کی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کچھ پروا نہیں کی کیونکہ وہاں سوائے حکم خداوندی کے اور کوئی مقصود تھا ہی نہیں۔ اللہ تعالیٰ کا جو حکم ہو بس وہی مقصود ہے۔ اور حکم اللہ کا کفار کے قتل کرنیکا ہے نہ کہ مومنین کے۔ جب ایک شخص نے ہمارے سامنے کلمہ پڑھ لیا تو وہ مومن ہو گیا۔ ہم کو دل کا حال معلوم نہیں جس کو دل کا حال معلوم ہے وہ ان کے ساتھ جو کچھ معاملہ کریگا وہ جانے ہمارے پاس کیا ثبوت ہے اس بات کا کہ اس نے کلمہ دل سے نہیں پڑھا؟۔ یہی گرفت کی ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ھلا شققت قلبه ① میں پس ہم کو تو وہ کرنا چاہئے جو حکم ہو نہ مصلحت سے بحث نہ مضرت ② سے ہمارا مذہب سے عشق جس کو فنا فی الاطاعت ③ لازم ہے دیکھو آیت میں کیا اشارہ ہے والذین آمنوا اشد حبا لله ④ شدت محبت کا ترجمہ عشق ہی تو ہے۔ تو یہ معنی ہوئے کہ مسلمان عاشق ہیں اللہ کے۔ پھر عشق کے ساتھ مصلحت بینی کیسی؟ اسی کو کہا ہے

مصلحت دید من آنست کہ یاران ہمہ کار بگذارند وخم طرۂ یارے گیرند ⑤

رضائے الٰہی کی طلب

عاشق کا تو مذہب صرف یہ ہے کہ رضاء محبوب حاصل ہو اپنی یا دوسرے کی مصلحت یا مضرت سے اسے کچھ بحث نہیں۔ جب مسلمان کو خدا تعالیٰ سے محبت اور عشق ہے تو بس اس کو اس کی کوشش چاہئے کہ حق تعالیٰ کی رضا حاصل ہو چاہے اس میں اپنا یا دوسرے کا نقصان ہی کیوں نہ ہو۔ بس سوائے رضاء حق اس کا کچھ اور مقصود نہ ہونا چاہئے۔ رضاء حق کی تلاش کرو جب رضاء مل گئی تو رضائی معنی ظاہری راحت بھی مل جائے گی۔ لیکن رضائی کی حیرت سے رضا کو مت طلب کرو۔ رضائی ملے تو خیر نہ ملے تو ٹھٹھر کر ⑥ مر جاؤ۔ جان کی پروا نہ کرو کیونکہ جیسے رضائی تمہاری نہیں ہے بلکہ ان کا عطیہ ہے ایسے ہی جان بھی تمہاری نہیں ہے۔ غرض اپنی طرف سے تو اسی کیلئے آمادہ رہو باقی عادۃ اللہ یہی ہے کہ رضا کے ساتھ رضائی بھی ملتی ہی ہے۔ بھلا یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ ادھر سے رضا کی طلب ہو اور اُدھر سے اُس کو ٹھٹھرتے ہوئے دیکھیں اور رضائی نہ دیں

---

① تم نے اس کا دل چیر کر کیوں نہ دیکھا ② نقصان ③ اطاعت میں ڈوب جانا ④ جو لوگ ایمان لائے ہیں اللہ سے شدید تر محبت رکھتے ہیں ⑤ ''عاشق خود تو مصلحت بینی کیا کرتا وہ دوسروں کو بھی یہی صلاح دیتا ہے کہ یہی طریقہ اختیار کرو کہ مصلحت بینی چھوڑو اور محبوب کے رضا میں لگو'' ⑥ سردی سے اکڑ کر مر جاؤ

مگر تمہارے لئے ادب یہی ہے کہ تم رضائی کی طلب مت کرو تم اپنا کام کرو وہ اپنا کام کرینگے۔ اور اگر رضائی ہی طلب کرنی ہو تو اس کا طریقہ بھی یہی ہے۔ کہ رضائی بھی اُسی سے مانگو اس کے ہاں ایک ایسا گودام ہے جس میں ساری چیزیں ہیں رضائیاں بھی بہت سی ہیں ان کے لینے کا طریقہ بھی یہی ہے کہ گودام والے سے درخواست کرو اور کنجی مانگ لو اُسکے بعد رضائی نکال لو۔ یہ طریقہ نہیں ہے کہ درخواست نہ کرو نہ کنجی حاصل کرو بلکہ تالا توڑ کر رضائی نکالنے لگو۔ اگر ایسا کرو گے تو مقدمہ قائم ہوگا اور سزا ہوگی اور وہ رضائی بھی چھین لی جائیگی اور یہ عذر نہیں سنا جائیگا کہ ہم کو سردی لگتی تھی اس مصلحت اور ضرورت سے ہم نے رضائی لے لی یہ حقیقت ہے اُن مصلحتوں کی جن کی بناء پر ہم کوئی کام کر بیٹھتے ہیں اور حق تعالیٰ کی رضا کا اہتمام نہیں کرتے خدا تعالیٰ کو راضی کرو وہ اتنا دینگے کہ ہم سے سمیٹا بھی نہیں جائیگا۔

نیم جاں بستاند و صد جاں دہد انچہ در وہمت نیاید آن دہد ①

رزق بے حساب حصول کا طریقہ

یہ مضمون آیت میں بھی موجود ہے وَمَن يَتَّقِ ٱللَّهَ يَجۡعَل لَّهُۥ مَخۡرَجٗا وَيَرۡزُقۡهُ مِنۡ حَيۡثُ لَا يَحۡتَسِبُۚ ② یعنی جو کوئی خدا تعالیٰ سے ڈر کر کام کریگا اُسکے لئے وہ راہ نکال دینگے اور اس کو ایسی جگہ سے روزی دینگے جہاں سے اسکا گمان بھی نہ ہوگا۔ غرض جن مقاصد کے پیچھے آپ پڑے ہوئے ہیں وہ مقاصد ان کو ناراض کر کے پورے نہیں ہو سکتے اور اگر ان کو راضی کرنیکی کوشش کرینگے تو وہ مقاصد اسطرح سے پورے ہونگے کہ گمان بھی نہیں ہوگا۔ اور یہ میں اپنی طرف سے نہیں کہتا یہ تو قرآن کی آیتوں کا صاف مدلول ہے خدا تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ اطاعت کرنیوالے کے مقاصد اُس جگہ سے پورے ہونگے جہاں کا اُسے خیال بھی نہ ہوگا۔ افسوس ہے کہ لوگ قرآن کو نہیں دیکھتے جو اپنی سمجھ میں آجائے اسی کو صحیح سمجھ لیتے ہیں۔ اور بعضے لوگ جو قرآن کو دیکھتے بھی ہیں ان کی بھی بڑی کوشش یہ ہے کہ دو چار مشہور اعمال جیسے نماز روزہ وغیرہ کے احکام قرآن میں دیکھ لئے یہ اعمال صرف وہ ہوتے ہیں جو از جنس عبادات ہیں گو یا سوائے عبادات کے دوسرے احکام قرآن شریف میں ہی نہیں۔ حالانکہ قرآن شریف میں دیگر مضامین

---

① نصف جان لے کر سو جانیں عطا فرماتے ہیں انسان کی سوچ سے بھی زائد اس کو عطا کرتے ہیں
② الطلاق: ۲ / ۳

اور اجزاء دیں بھی بکثرت ہیں مسلمانوں میں ایک گرتو کا رویہ طرز عمل ہے۔

قرآن سے بے قاعدہ غلط استنباطات

اور ایک گروہ دوسرا ہے جو ظاہراً ہر حکم کو قرآن شریف سے نکالتا ہے لیکن اس گروہ نے چال بے قاعدہ اختیار کی ہے یہی وجہ ہے کہ وہ باتیں انھوں نے قرآن شریف سے نکالی ہیں جو بداہۃً دین کے خلاف ہیں۔ کوئی کہتا ہے قرآن میں ایک ہی روزہ کا حکم ہے۔ کوئی کہتا ہے سود لینا جائز ہے۔ بڑھتے بڑھتے لوگوں نے عقائد تک میں تصرف کیا ہے۔ کوئی کہتا ہے ملائکہ کا ثبوت قرآن شریف سے نہیں ہے کوئی کہتا ہے جنت کا ثبوت نہیں، نار کا ثبوت نہیں میزان کا ثبوت نہیں صراط کا ثبوت نہیں اور ہر بات کے لئے قرآن شریف کی آیت پڑھ دیتے ہیں۔ سننے والے حیران رہ جاتے ہیں کہ یہ باتیں ہیں تو دین کے خلاف مگر ان کے پاس ہر بات کا ثبوت قرآن شریف سے ہے۔ اسکا انکار کریں تو کیسے کریں؟ یہ ایسا مغالطہ ہے کہ اس میں اچھے اچھے پڑھے لکھے لوگ پڑ جاتے ہیں۔ میں اس کا کشف [1] راز کرتا ہوں۔ صاحبو احکام کو قرآن سے ڈھونڈو لیکن طریقہ سے۔ ہر کام کا ایک طریق ہوتا ہے اگر اس طریق سے اس کام کو نہ کیا جاوے تو وہ کام نہیں ہوتا اور جو غرض ہے اس کام سے وہ حاصل نہیں ہوتی۔ مثلاً گیہوں پیدا ہوا ہے آدمی کی غذا بننے کے لئے لیکن شرط ہے اس کے لئے کہ اس طریق سے استعمال کیا جاوے جو اس کے لئے مقرر ہے مثلاً پیسنا گوندھنا پکانا۔ اگر کوئی گیہوں کو بغیر اس کے کھانے لگے یعنی کچے نگل جایا کرے تو اس سے تغذیہ [2] کا کام نہ ہوگا یا مثلاً دوا ازالہ مرض کے لیے ہے مگر اس کے استعمال کے بھی کچھ طریقے مقرر ہیں مثلاً بعضی دوا پیسی جاتی ہے بعضی پکائی جاتی ہے بعضی بھگوئی جاتی ہے۔ اگر ان طریقوں کے خلاف استعمال کیا جائے تو وہ استعمال بیکار ہوگا اور جو غرض ہے یعنی ازالۂ مرض وہ حاصل نہ ہوگی۔ اس کی صدہا نظیریں ہیں جن کے بیان کی ضرورت نہیں۔ اسی طرح قرآن شریف سے احکام کے معلوم کرنے کے لیے بھی ایک طریقہ ہے کہ بلا اس کے احکام صحیح معلوم نہیں ہو سکتے اور نہ اُن پر وہ غرض مترتب ہو سکتی ہے جس کے لیے احکام مقرر ہیں یعنی رضاء الٰہی۔

استخراج مسائل کا صحیح طریقہ

وہ طریقہ کیا ہے وہ یہ ہے کہ خالی الذہن ہو کر قرآن سے حکم کو تلاش کرو۔ نہ

---

① اس راز کو کھولتا ہوں ② غذا کا کام نہیں لیا جا سکتا۔

مقصود کو متعین کرو نہ اس کو پیش نظر رکھو کہ ہماری مرضی کے موافق ہو۔ بس یہ سوچ کر بیٹھو کہ جو حکم ہوگا وہ بجالاویں گے چاہے ہمارا مقصود حاصل ہو یا نہ ہو اور چاہے ہماری مرضی کے موافق ہو یا نہ ہو۔ بس اس طریقہ سے جب آپ حکم کو قرآن سے تلاش کرینگے تو ضرور ملے گا اور صحیح ملے گا باقی یہ طریقہ بالکل ہی غلط ہے کہ پہلے ایک مقصود متعین کرلیا کہ یہ مسئلہ ہم کو قرآن شریف سے نکالنا ہے پھر قرآن شریف میں تلاش شروع کی تو اس صورت میں بتکلف وہ حکم قرآن میں مل تو جائے گا لیکن غلط ملے گا۔ اور اس پر غایت یعنی رضاء الٰہی مترتب نہ ہوگی۔ آج کل لوگ یہی غلطی کرتے ہیں کہ مقصود پہلے متعین کر لیتے ہیں اور اسی پر نظر رکھتے ہیں کہ مسئلہ ہماری مرضی کے موافق نکلے۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ برا بھلا ثبوت مل ہی جاتا ہے۔ چنانچہ جس نے سود کے جواز کی کوشش کی اور پہلے سے مقصود متعین کرلیا اسکو بھی بزعم اس کے قرآن سے کچھ نہ کچھ ثبوت مل ہی گیا۔ اور جس نے ایک روزہ کو فرض کیا اسکو بھی ثبوت مل گیا اور جس نے ملائکہ کی نفی کی یا جنت و نار کی نفی کی اور میزان و صراط کی نفی کی اسکو بھی ثبوت مل گیا اس طرح تو قرآن کیا ہوا ایک لڑکوں کا کھیل ہوگیا کہ جس طرح چاہا کھیل بنالیا۔ اُسی سے ایک چیز کا اثبات ہوتا ہے اور اسی سے اسکی نفی۔ اسی میں توحید اسی میں شرک نعوذ باللہ۔ اس میں غلطی کیا ہے غلطی یہی ہے کہ قرآن میں سے بے طریقہ احکام کو تلاش کیا گیا۔

صحابہؓ کا طریقہ استنباط

دیکھو جن لوگوں نے صحیح طریقہ سے تلاش کیا ان کو حقیقی احکام کیسے مل گئے۔ صحابہؓ نے عبادات بھی کیں معاملات بھی کئے معاشرات و غزوات بھی کئے اور ان کا کوئی کام خلاف حکم نصوص نہ تھا۔ یہ نتیجہ اسکا تھا کہ وہ احکام کو نصوص سے صحیح طریقہ سے معلوم کرتے تھے وہ طریقہ وہی ہے جو میں نے بیان کیا کہ خالی الذہن ہو کر نصوص سے حکم کو تلاش کیا جائے۔ صحابہؓ میں یہ نہیں تھا کہ پہلے مقصود کو متعین کر لیتے ہوں اور اپنی مرضی کو پیش نظر رکھتے ہوں۔ ان کا تو مسلک یہ تھا إِنَّمَا كَانَ قَوْلَ ٱلْمُؤْمِنِينَ إِذَا دُعُوٓاْ إِلَى ٱللَّهِ وَرَسُولِهِۦ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ أَن يَقُولُواْ سَمِعْنَا وَأَطَعْنَا ① ۔ اس آیت پر پورے عامل تھے جب کبھی اللہ و رسول کی طرف بلائے گئے بس ان کا جواب یہی تھا کہ بہت اچھا نہ اس کی علت کی تفتیش ② نہ حکمت کی تلاش۔

① النور: ۵۱ ② نہ علت کی تحقیق نہ حکمت کی تلاش

اس طرح آپ بھی احکام کو نصوص سے تلاش کیجئے وہی بات آپ کو بھی حاصل ہوگی۔ یہ طریقہ میں نے ایسا بتادیا ہے جس میں کوئی خطرہ ہی نہیں اور اس سے اُس مغالطہ کا بھی کشف راز ① ہوگیا کہ ملحدین بھی اپنے مسائل کا ثبوت قرآن سے لیتے ہیں۔ خلاصہ اس کا یہ ہوا کہ انھوں نے احکام کو قرآن سے نہیں حاصل کیا بلکہ ان کو اپنی مرضی اور ہوائے نفسانی سے حاصل کیا ہاں تائیداً اور تبعاً نصوص کو بھی ساتھ لے لیا۔ اب سمجھ میں آگیا ہوگا کہ یہ طریقہ حق تک پہنچانے والا نہیں ہے بلکہ باطل تک پہنچانے والا ہے حق کو اُس طریق سے تلاش کرو جو میں نے بتلایا ہے پھر دیکھ لینا کہ کیسے صحیح احکام ملتے ہیں۔

کثرت رائے کا اعتبار نہیں

اب یہاں سطحی نظر سے نفس بطور عذر کے ایک گنجائش نکال سکتا ہے وہ یہ کہ اگر ہم صحیح طریق سے بھی نصوص میں سے احکام کو تلاش کریں تو سب احکام نصوص میں صراحۃً تو موجود ہیں نہیں اس لئے ممکن ہے کہ باوجود صحیح تلاش کے بوجہ صراحۃً نہ ملنے کے احکام میں اختلاف آراء ہو تو اس صورت میں صحیح حکم کیونکر معلوم ہوگا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ جب کسی ایسی بات میں اختلاف پیش آوے جس میں نص موجود نہ ہو تو اسوقت اُس شق پر عمل کرنا چاہئے جو اصول شرعیہ سے راجح ہو لیکن ترجیح کے لئے معیار کثرت رائے نہیں ہے جیسا کہ آجکل لوگوں نے اختیار کرلیا ہے کہ ہر اختلاف کا فیصلہ کثرت رائے سے کرلیتے ہیں اور پھر رائے بھی کس کی؟ ممبران کی اور ممبر کس کو کہتے ہیں جو ایک روپیہ دیدے خواہ وہ کچھ بھی لیاقت نہ رکھتا ہو اور اس فن سے جس کے لئے فیصلہ کرانا چاہتے ہیں اس کو کچھ بھی مناسبت نہ ہو مثلاً مدارس عربیہ کے بارے میں اُن لوگوں کی رائے لیجاتی ہے جو نہ خود عالم، نہ علم سے مناسبت نہ انھوں نے کبھی مدارس کا کام کیا نہ دین کی طرف ان کو میلان حتی کہ مدارس کے وجود اور قیام ہی کے وہ مخالف ہیں اور مدارس کو ایک فضول کام سمجھتے ہیں بس صرف اس بناء پر ان کو رائے دہندہ مان لیا ہے کہ ممبری کا چندہ دیتے ہیں اور انھوں نے اس کام کو اس واسطے اپنے ہاتھ میں لے لیا ہے کہ کوئی یہ نہ کہے کہ انھیں اس کی لیاقت نہیں۔ لوگ چندہ کی فکر میں رہے اور رائے دہندہ ② صاحب اظہار لیاقت کی فکر میں۔ جس کا

① راز کھل گیا ② چندہ دینے والے صاحب۔

نتیجہ یہ ہوا کہ مدرسہ کا کام تمام ہوگیا۔ حیرت ہے کہ کسی اور کام میں اُن سے رائے نہیں لی جاتی مثلاً کسی الجھے ہوئے مریض کے بارے میں اطبا کا مجمع ہو اس میں یہ پہنچ جاویں اور ایک روپیہ چندہ دے کر یہ درخواست کریں کہ اس علاج کے بارے میں میں بھی رائے دونگا اور میں بوجہ ممبر ہونیکے اس کا مستحق ہوں۔ اگر ایسے آدمی زیادہ جمع ہو جاویں اور طبیب ایک ہوں تو ظاہر ہے کہ کثرت رائے انھیں کی طرف ہوگی تو انہیں کی رائے پر نسخہ بھی لکھا جانا چاہیئے۔ لیکن اگر کوئی ایسا کر کے دکھائے تب ہم اس قاعدہ کو صحیح جانیں کہ کثرت رائے معیار ہے ترجیح دینے کا۔ میں بلاخوف اعتراض کہتا ہوں کہ مریض کے بارے میں کسی کی بھی یہ ہمّت نہ ہوگی نہ علاج کرانے والوں کی نہ مریض کی نہ خود ان ممبر صاحب کی۔ وہاں یہ خود صاف کہہ دینگے کہ حضرت میں اس کام کو نہیں جانتا جو طبیب کے وہی صحیح ہے اے اللہ سب سے سستا اور نکما دین ہی کا کام ہوگیا ہے کہ اس میں ہر شخص رائے دینے کا مستحق ہے نہ کسی لیاقت کی ضرورت ہے نہ مناسبت کی نہ مہارت کی۔ وہاں اس کہنے سے بھی ممبر صاحب رکتے ہیں کہ یہ کام علماء کے کے سپرد کرو ہم کیا جانیں۔

دین کے بارے میں لوگوں کا طرز عمل

اس کی وجہ سوائے اس کے اور کیا ہے کہ مرض کے بارے میں تو اندیشہ ہے کہ اگر غلطی ہوئی تو مریض کی جان جاتی رہے گی اور دین کے بارے میں یہ اندیشہ نہیں کہ اگر غلطی ہوئی تو دین جاتا رہے گا یا بگڑ جائیگا۔ اسلئے کہ دین تو کسی طرح جاتا ہی نہیں نہ کسی طرح بگڑ سکتا ہے دین کی تو آجکل یہ حالت ہے کہ کلمات کفر بکنے اور اللہ ورسول کے خلاف عقیدہ رکھنے سے بھی نہیں جاتا۔ ایسے ایسے کلمات اخباروں اور رسالوں میں نکلتے ہیں کہ ان کو سنا نہیں جاتا اور جب ان کے متعلق کچھ کہا جاتا ہے تو اعتراض ہوتا ہے کہ بس مولویوں کو صرف یہی کام رہ گیا ہے کہ گھر میں بیٹھے فتوی لگایا کریں مسلمانوں کو کوئی کام کرنے ہی نہیں دیتے۔ جہاں کسی کام کو مسلمانوں نے متفقہ طور پر شروع کیا بس اس میں انھوں نے روڑا اٹکایا اور فتوے لگا لگا کر اختلاف پیدا کر دیا۔ ذرا ذرا سی باتوں میں لڑتے ہیں۔ افسوس دین کی بات ان کے نزدیک ذرا سی ہے۔ دو وکیل مقدمہ میں ایک ایک لفظ پر لڑتے ہیں ان کو کوئی نہیں کہتا کہ ذرا ذرا سی بات پر لڑ رہے ہیں۔ بلکہ وکیل کی قابلیت سمجھی جاتی ہے کہ ایک لفظ کو ایسا پکڑا کہ اس پر تین گھنٹہ تک بحث کی۔ پھر مولویوں

کی قابلیت کیوں نہیں سمجھی جاتی کہ انھوں نے ایک لفظ پر اتنی لمبی چوڑی تحریر یا تقریر کی۔ وجہ یہی ہے کہ مقدمہ میں تو سمجھتے ہیں کہ ایک لفظ کے ہیر پھر میں کام بنے گا یا بگڑ جائیگا اور یہاں یہ اطمینان ہے کہ ہر صورت میں کام بنے ہی گا کسی طرح بگڑ ہی نہیں سکتا کیونکہ دین اختیاری چیز ہے جو ہماری سمجھ میں آوے اور ہم کو اچھا معلوم ہو وہی دین ہے۔ جو دین ایسی سہل اور من مانی چیز ہے تو اس میں رائے نہ دے سکنا کیا معنی؟ جو منہ میں آیا کہہ دیا وہی دین ہے۔ اور اگر رائے دینے والے متعدد ہوئے۔ تو جس طرف کثرت ہوئی اسی طرف فیصلہ کر دیا وہی دین ہے۔ صاحبو یہ معیار ہی صحیح نہیں حق بات کے معلوم کرنیکا ورنہ میں وہی نظیر پھر یاد دلاتا ہوں کہ مریض کے بارے میں محلہ میں سے دس بیس آدمی میں قطع نظر اس سے کہ وہ طب جانتے ہوں یا نہیں جمع کر کے کثرت رائے سے ایک نسخہ کیوں نہیں تجویز کرا لیا کرتے یہ معیار وہاں کیوں نہیں کام دیتا۔ وہاں کیوں طبیب اور ڈاکٹر کی تلاش میں پریشان پھرا کرتے ہو اور سیکڑوں روپیہ خرچ کرتے ہو؟۔ خوب سمجھ لیجئے کہ کثرت رائے تو کوئی چیز ہی نہیں۔

رائے کی درستگی کی شرائط

نفس رائے کی حجیت کے لئے دو شرطیں ہیں کہ بلا اُن کے اس سے کام لینا موصل الی الصواب ① نہیں ہوسکتا ایک شرط عام ہے اور ایک خاص۔ عام کے معنی یہ ہے کہ بلا اس کے رائے کبھی کام نہیں دے سکتی نہ دنیا کے بارے میں نہ دین کے۔ وہ عام شرط یہ ہے کہ جس کام کے متعلق رائے سے کام لیا جاوے۔ رائے دہندے اس کام کے جاننے والے اور اُس سے مناسبت رکھنے والے اور ماہر ہوں بلا اس کے رائے کوئی نہیں۔ نتیجہ یہ ہے کہ مریض کے بارے میں اطبا ماہرین سے رائے لیجائیگی غیر طب جاننے والے سے نہیں خواہ وہ اور کاموں کی قابلیت کتنے ہی کیوں نہ رکھتے ہوں اور مقدمات کے بارے میں وکلاء اور قانون داں صاحبوں کی رائے لیجائیگی تجار اور اہل صنعت اور کسی قابلیت والے کی رائے نہیں لیجائیگی۔ چارپائی بنانے کی اگر ضرورت ہوگی تو اس میں جاہل اور گنوار بڑھیوں ② کی رائے لیجائیگی۔ وکلاء اور علما اور تعلیم یافتوں سے رائے نہیں لی جائیگی۔ غرض ہر کام میں اُس کام کے جاننے والوں کی رائے معتبر ہوگی نہ کہ دوسرے کام جاننے والوں کی یہ شرط تو عام ہے اور ایک شرط خاص ہے کہ وہ صرف دین کے بارے میں

---

① صحیح بات تک نہیں پہنچ سکتے ② ترکھان یعنی کارپینٹر

ہے وہ یہ ہے کہ دین میں رائے وہ معتبر ہوگی جو نص کے ساتھ اوفق ① ہو۔ پس حاصل نتیجہ یہ ہوا کہ غیر علماء کی رائے معتبر نہ ہوگی خواہ کتنے ہی کثرت ہو۔ اور ہر ایک عالم ہو اور ادھر ہزار عامی لیکن ترجیح عالم ہی کی رائے کو ہوگی کثرت کا لحاظ کسی طرح نہ کیا جائے گا۔ اور عالم کی رائے بھی اس وقت لی جائے گی جبکہ نص کی موافق ہو اور اگر نص کی موافقت میں اجتہادی اختلاف ہو وہاں دونوں طرف حق متحمل ② ہوگا مجتہد کو اپنی رائے پر اور غیر مجتہد کو کسی مجتہد کی رائے پر جس سے اعتقاد زیادہ ہو گو دلیل اجمالی ہی سے ہو عمل کرنا ہوگا۔

کثرت رائے کے حجت نہ ہونے کی دلیل

اب میں کثرت رائے کے حجت نہ ہونے کا ثبوت آیت سے پیش کرتا ہوں۔

واقعہ اس کا یہ ہے کہ غزوہ بدر میں جب مسلمانوں کو فتح ہوئی تو بہت سے کفار مسلمانوں کے ہاتھ میں قید ہوئے ان کے بارے میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہؓ سے مشورہ کیا کہ کیا کرنا چاہیے؟۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ اور بعض صحابہؓ کی رائے یہ ہوئی کہ فداء لے کر چھوڑ دیا جائے۔ حضرت عمرؓ کی رائے یہ ہوئی کہ ان کو قتل کیا جائے۔ دنوں فریق نے اپنی اپنی رائے کی مصلحتیں بیان کیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رائے بھی ابوبکرؓ کی طرف ہوئی لیکن آیت اتری حضرت عمرؓ کے موافق مَا كَانَ لِنَبِيٍّ أَن يَكُونَ لَهُۥٓ أَسْرَىٰ حَتَّىٰ يُثْخِنَ فِى ٱلْأَرْضِ ۚ تُرِيدُونَ عَرَضَ ٱلدُّنْيَا وَٱللَّهُ يُرِيدُ ٱلْءَاخِرَةَ ۗ وَٱللَّهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ﴿٦٧﴾ لَّوْلَا كِتَٰبٌ مِّنَ ٱللَّهِ سَبَقَ لَمَسَّكُمْ فِيمَآ أَخَذْتُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ ﴿٦٨﴾ ③ اس آیت کے اترنے سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر اتنا اثر ہوا کہ آبدیدہ ہو کر فرمایا کہ اگر عذاب اترتا تو سوائے عمرؓ کے کوئی بھی نہ بچتا (عذاب اترتا کیوں؟ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات پاک تو غیروں کے واسطے بھی رحمت ہے چہ جائیکہ صحابہؓ کے لیے اور خود حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تو رحمت ہی ہیں) دیکھئے اسوقت کثرت رائے حضرت عمرؓ کے خلاف تھی اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رائے مبارک بھی اسی طرف تھی لیکن آیت اتری حضرت عمرؓ کی رائے کے موافق اس سے کثرت رائے کی تو بالکل ہی جڑ کٹ گئی اگر کثرت رائے حجت تھی تو احتمال کی کیا وجہ؟۔

شبہ کا جواب

یہاں اس طالب علمانہ شبہ کا جواب دینا بھی مناسب ہے کہ کیا حضرت عمرؓ کی

---

① جو قرآن و حدیث کے موافق ہو ② دونوں کے صحیح ہونے کا احتمال ہوگا ③ سورۃ الانفال: ۶۷۔۶۸

رائے ایسی صائب ① تھی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رائے مبارک بھی اس کو فوقیت ہوگئی۔ اس کا جواب یہ ہے کہ عمرؓ کی رائے میں اصابت ② اس حیثیت سے نہیں ہوئی کہ وہ حضرت عمرؓ کی رائے تھی (پھر تو بہ تو بہ اس کو فوقیت ہے) بلکہ اس وجہ سے ہوا کہ وہ رائے بھی حضور ہی کی تعلیم کا فیض تھا مگر غایت رحمت کے سبب آپ ﷺ کی نظر اس طرف نہیں گئی پس حضرت عمرؓ کی رائے کو حضور ﷺ کی رائے پر ترجیح نہیں ہوئی بلکہ حضور ﷺ ہی کی ایک رائے کو حضور کی دوسری رائے پر ترجیح ہوئی اور اس کے متعلق بعض شبہات و جواب میری تفسیر بیان القرآن میں بھی قابل ملاحظہ ہیں۔ دیکھئے کسی وضاحت سے یہ مسئلہ اس آیت میں موجود ہے۔ اب آپ کی سمجھ میں کثرت رائے کے معتبر غیر معتبر ہونے کا فیصلہ آ گیا ہوگا۔

مختلف جزئیات کا جواب

اور اس تقریر سے بہت سی جزئیات کا جواب نکل آتا ہے مثلاً بعض عالی دماغوں نے رائے دی ہے کہ بہت سے غیر مسلم لوگ مسلمان ہونے کو تیار ہیں لیکن بعض پابندیوں سے گھبراتے ہیں مثلاً یہ کہ نماز پانچ وقت پڑھنی پڑے گی لہٰذا اگر علماء اسلام متفق ہوکر نماز کی قید اُٹھا دیں تو ایک جماعت کثیر مسلمانوں میں شامل ہو جائے اور قومی ترقی خاطر خواہ حاصل ہو جائے۔ یا آجکل ایک عام خیال یہ پھیلا ہوا کہ مسلمانوں پر سخت افلاس کا ادبار ③ ہے لہٰذا اس کی ضرورت ہے کہ سود کے جواز کا فتویٰ دیا جائے اور سب علماء متفق ہوکر اس کو حلال کر دیں اور بہت سے لوگ یہ بھی دلیل پیش کرنے لگے ہیں کہ اب تو زیادہ تر علماء کا خیال اور رائے اسی طرف ہوگئی ہے کہ سود لینا چاہئے لہٰذا کثرت رائے بھی اسی طرف ہوگئی ہے بس یہی بات قابل اخذ ہے، میری مجموعی تقریر سے آپ کو معلوم ہو گیا ہوگا کہ رائے کے کارآمد ہونے کا موقع وہ ہے کہ نص موجود نہ ہو پس جبکہ نماز کی فرضیت اور رکن اسلام ہونے کے بارے میں نص موجود ہے۔ تو ایسی حالت میں کثرت رائے تو الگ رہی اگر شرقاً وغرباً بلا اختلاف اتفاق رائے بھی اس کے خلاف پر ہو جائے تو حجت نہیں ہوسکتا اور سود حربی ④ کے باب میں گو اجتہادی اختلاف ہے لیکن اوپر معلوم ہو چکا ہے کہ ایسے موقع میں مرجح اقربیت الی النص ہے ⑤ اور سود کی جن صورتوں کے جواز کی کوشش کی جاتی ہے زیادہ تر وہ خلاف نص ہیں اور

---

① درست تھی ② درستگی اس بنا پر نہیں تھی ③ غربت کا بوجھ ④ کافروں کے سود کے بارے میں ⑤ ترجیح اس قول کو ہوگی جو نص سے قریب تر ہو

جو قلیل صورتیں اجتہادی ہیں انہیں بھی احتمال قوی ہے کہ گنجایش دینے سے عوام حدود سے نکل جائیں گے اور ایسے مباح کی اجازت دینا خود خلاف نصوص ہے۔ خوب سمجھ لیجئے۔

احکام دین میں رائے معتبر نہیں

اور اگر کسی کی خاطر سے کثرت رائے کو معتبر بھی مان لیا جاوے تو امور دنیو یہ انتظامیہ میں تو کچھ گنجایش ہوسکتی ہے مگر دین میں کچھ گنجایش نہیں اور فرق یہ ہے کہ دین مکمل ہے اُس میں گنجائش کسی ترمیم و تنسیخ کی باقی نہیں یہ خلاف دنیا کے کہ اس کی تکمیل کی کہیں خبر نہیں آئی تو امور دنیا میں تو کچھ گنجائش ہوسکتی ہے کہ عقلاء غور کریں اور حسب ضرورت کوئی قانوں بنالیں اور اگر آپس میں اختلاف ہو تو کثرت رائے کی طرف رجوع کریں باقی دین کے بارے میں یہ گنجائش اس لئے نہیں کہ اُس کی تکمیل کی خبر آگئی ہے جو قانون شارع ① نے مقرر فرما دیا وہ ناطق ہے۔ کسی زمانہ میں اور کسی جگہ کی لحاظ سے بدلا نہیں جا سکتا کیونکہ شارع یعنی حضرت حق وہ ذات ہے جو علیم و حکیم ہے اُس کو حکم فرماتے وقت ہر بات کا علم تھا اور ساری ضرورتوں مصلحتوں پر نظر تھی جو لوگ اس وقت میں نماز کی قید اٹھانا چاہتے ہیں یا سود کو علی الاطلاق جائز کرنا چاہتے ہیں ان سے کوئی پوچھے کہ جب شارع نے نماز کا حکم دیا تھا یا سود کو منع فرمایا تھا تو کیا اُس کا علم اس بات تک نہیں پہنچا تھا کہ فلاں وقت میں نماز خارج فی الدین ہوگی یا بغیر سود لئے زندگی نہ ہوسکے گی اُس نے ان مواقع کو مستثنیٰ کیوں نہیں کر دیا۔ یا تو یوں کہو کہ اسکو اسکا علم نہ تھا نعوذ باللہ یہ شق تو یقیناً باطل ہے تو جب اس نے باوجود علم کے استثناء نہیں کیا تو اس سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ اس کو کسی وقت میں اس کی اجازت دینا منظور ہی نہیں۔ نماز ہمیشہ کیلئے فرض کی اور سود ہمیشہ کیلئے حرام کیا۔ اب نماز کی عدم فرضیت کا قائل ہونا یا سود کی حلت کا قائل ہونا تو اس کو نعوذ باللہ بے علم ماننا ہے یا ان دونوں حکموں میں اس کی مزاحمت کرنا ہے کہ یہ حکم کیوں دیا؟ اور یہ دونوں شقیں جیسی ہیں ہر مسلمان کا دل خوب جانتا ہے حاصل یہ کہ ان احکام میں جن میں شارع نے خود کوئی قید نہیں لگائی اُن میں قید لگانا ایجاد فی الدین ② اور دین کو ناقص ③ سمجھنا ہے جس کے خلاف قرآن میں تصریح موجود ہے یہ ہے راز دین میں کثرت رائے کی بالکلیہ حجت نہ ہونے کا۔

---

① اللہ پاک نے مقرر کر دیا ② دین میں نئی بات ایجاد کرنا ہے ③ نامکمل سمجھنا۔

قرآن سے احکام نکالنے کا صحیح طریقہ

حاصل یہ ہے کہ کثرت رائے مطلقاً حجت نہیں اس کے لئے بھی کچھ قواعد اور قیدیں ہیں مگر لوگوں نے سبق یاد کر رکھا ہے کہ بات بات میں کثرت رائے کو پیش کر دیتے ہیں سو یہ محض مغالطہ ہے۔ بس میں نے جو کہا تھا کہ اگر اختلاف ہو تو وہ شق اختیار کرو جس میں اصول شرعیہ سے رجحان ہو سو وہ رجحان اس طریق سے نہیں ہوتا جس طریق سے آجکل لوگوں نے اختیار کر رکھا ہے کہ جدھر کثرت رائے دیکھیں اسی کو راجح سمجھ لیا بلکہ اس کے لئے قواعد اور شرائط اور حدود ہیں جن کو عنقریب ذکر کر چکا ہوں۔ یہ صحیح طریقہ ہے قرآن سے احکام نکالنے کا۔ جو ان قواعد صحیحہ سے کام لیتے ہیں ان کو قرآن میں اور نصوص میں سب کچھ مل جاتا ہے اور حق بات ہاتھ آجاتی ہے پھر نہ وہ صراط ① کا انکار کرتے ہیں نہ ملائکہ کا نہ عذاب قبر وغیرہ کا اور نہ وہ سود کو جائز کرتے ہیں اور نہ رمضان کے روزہ کو ایک کہتے ہیں اور نہ ان کی دوڑ اس پر ختم ہو جاتی ہے کہ شریعت میں صرف چند عبادات ہیں بلکہ وہ شریعت کے ہر حکم کے بجالانے کے لئے تیار ہو جاتے ہیں خواہ اپنی رائے اور مصلحت اور ضرورت کے خلاف ہی کیوں نہ ہو وہ رائے اور مصلحت کو فنا کر دیتے ہیں حق تعالیٰ کے امر کے سامنے اور معارضہ نہیں کرتے حق تعالیٰ کے علم سے اور وہ اس خیال کی بناء پر کوئی کام نہیں کرتے کہ حکم کو خاص حد تک محدود رکھنے سے خلل ہوگا ② مقصود میں وہ ہر کام اسی حد تک محدود رکھتے ہیں جہاں تک شریعت نے محدود ③ کر دیا ہے کیونکہ شریعت میں ہر کام کیلئے حدود ہیں حتی کہ ان کاموں کیلئے بھی جن کو مطلقاً محمود سمجھا جاتا ہے جیسے خوف اور شوق جس کو میں نے ابھی تفصیل سے بیان کیا ہے جب ایسی چیزوں کے لئے بھی حددد ہیں تو ان چیزوں کے لئے حدود کیسے نہ ہوں گے جن کے لئے عقول متوسطہ بھی تجویز کرتی ہیں کہ محدود ہوں منجملہ اُس کے کسی قوم سے موافقت یا مخالفت کرنا بھی ہے اس کے لیے میں نے یہ آیت پڑھی تھی وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَـَٔانُ قَوْمٍ عَلَىٰٓ أَلَّا تَعْدِلُوا۟ ④ میں نے احکام شریعت میں سے بطور مثال کے چند جزئیات بیان بھی کر دی ہیں باقی غور سے دیکھا جائے تو ہر کام کا ایک حکم اور قاعدہ شریعت میں موجود ہے مگر افسوس کہ ہم کو مقصود احکام ہی نہیں رہے بلکہ جو طریقہ اپنی سمجھ میں آجائے یا

① پل صراط ② ایک مخصوص حد تک کام کرنے میں مقصود میں خلل ہوگا ③ جہاں تک شریعت نے اس کی حد بیان کی ہے وہاں تک ہی کرتے ہیں ④ سورۃ المائدۃ:۸

جو طریقہ دوسرے لوگ بتائیں وہی مقصود سمجھ لیا جاتا ہے نہ اس میں کسی حد کا لحاظ رکھا جاتا ہے۔ یہ حکم شرعی کی پروا کی جاتی ہے حالانکہ شریعت میں سب کچھ موجود ہے۔

شریعت میں ہر چیز کی حد ہے

میں دعویٰ سے کہتا ہوں کہ بلا شریعت کے ہگنا موتنا اور اُٹھنا بیٹھنا بھی نہیں آتا۔ یہ بیان لفظ استغناء کے ضمن میں شروع ہوا تھا کہ ایک شخص نے تعزیت کے موقع پر اسے نہایت بری صورت کے ساتھ استعمال کیا تھا۔ ایک جوان موت ہوگئی تھی اس میں اس نے کہا تھا کہ خدا کی ذات بڑی مستغنی ہے اس میں شک نہیں کہ استغنا حق تعالیٰ کیلئے ثابت ہے لیکن نہ بایں معنی کہ اس میں بے ڈھنگا پن اور بے رحمی ہے جیسا کہ جہلاء کے کلام میں آجکل اس معنی میں مستعمل ہے بلکہ استغناء بایں معنی ہے کہ ان کا کچھ نہیں بگڑتا۔ جس پر چاہیں رحمت کردیں کیسا ہی گنہگار ہو اس کو معافی دیدیں اور انکی معافی بلا کدورت ① ہوتی ہے ہماری طرح سے نہیں کہ اگر ہم کسی کو معافی بھی دیں تو کچھ نہ کچھ کدورت ② باقی رہتی ہے اور اس سے دل ویسا نہیں ملتا جیسا اس جرم سے پہلے ملتا تھا گو خوشامد درآمد سے معافی دیدیں مگر اندر سے دل صاف نہیں ہوتا اور وہاں کچھ بھی نہیں کوئی کیسا ہی گناہ کرے انکو کوئی نقصان نہیں پہنچ سکتا کیونکہ وہ غنی ہیں جب چاہا اور جس کو چاہا معاف کردیا۔ اسی استغنا کا یہ ظہور ہے کہ آیت میں اوپر سے کفار اہل کتاب کے عیوب کا بیان اور ان کی مذمت بڑے شدومد سے تھی لیکن اُس میں سے مومنین کا استثنا بھی کردیا اور اُن کے اوصاف بیان فرمادیئے یہ نہیں کہ جس طرف چل دیئے اسی طرف چلے جائیں ۔ مذمت شروع کی تو مذمت ہی کرتے چلے جائیں بلکہ اس مذمت کو ایک حد پر ختم کردیا اور اس فرقہ میں سے جس کی مذمت ہورہی تھی ان لوگوں کا استثناء بھی کردیا جو ان اوصاف ذمیمہ سے بری ہیں جن پر اس فرقہ کی مذمت کی گئی تھی۔ پس فرماتے ہیں لَيْسُوا۟ سَوَآءً ۗ مِّنْ أَهْلِ ٱلْكِتَٰبِ أُمَّةٌ قَآئِمَةٌ يَتْلُونَ ءَايَٰتِ ٱللَّهِ ءَانَآءَ ٱلَّيْلِ وَهُمْ يَسْجُدُونَ ﴿١١٣﴾ يُؤْمِنُونَ بِٱللَّهِ وَٱلْيَوْمِ ٱلْءَاخِرِ وَيَأْمُرُونَ بِٱلْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ ٱلْمُنكَرِ وَيُسَٰرِعُونَ فِى ٱلْخَيْرَٰتِ وَأُو۟لَٰٓئِكَ مِنَ ٱلصَّٰلِحِينَ ﴿١١٤﴾ ③ یعنی اہل کتاب

① بلا رنجش ② رنجش ③ سورۂ آل عمران: ۱۱۳۔ ۱۱۴

سب برابر نہیں ان میں ایک گروہ ایسا بھی ہے جو مستعد ہے دین میں کہ وہ پڑھتے ہیں خدا تعالیٰ کی آیتوں کو رات دن اور عبادت کرتے ہیں۔ ایمان لاتے ہیں اللہ پر اور آخرت پر اورامر بالمعروف ونہی عن المنکر کرتے ہیں ① اور نیک کاموں میں مسارعت ② کرتے ہیں اور یہ لوگ صالحین میں سے ہیں۔

غلط فہمی کا ازالہ

مطلب یہ کہ سب اہل کتاب برابر نہیں ہیں۔ ان میں سے جو اسلام لے آئے ہیں اور انھوں نے اپنے اعمال درست کر لئے ہیں وہ اہل اسلام ہی کے زمرہ میں ہو گئے اور اس کا یہ مطلب نہیں کہ وہ اہل کتاب ہی رہے اور مومن نہیں ہوئے۔ صرف یہ اعمال جو آیت میں مذکور ہیں اُن کے اختیار کرنے سے چونکہ وہ اعمال خیر ہیں اس لئے وہ باوجود اہل کتاب رہنے کے اور باوجود مؤمن نہ ہونے کے مقبول ہوگئی۔ آجکل اس مسئلہ کے متعلق بھی مذاق بگڑ گیا ہے بہت سے لوگ یوں کہتے ہیں کہ یہ زبردستی ہے کہ صرف اہل اسلام کو جنتی اور ناجی کہا جائے۔ دوسرے مذاہب میں بھی اہل خیر لوگ موجود ہیں ان کو بھی ناجی اور جنتی کیوں نہ کہا جائے۔ اہل کتاب کی اس تقسیم سے یہ شبہ ہوا ہے۔ کیونکہ یہاں مقسم ③ اہل کتاب ہیں اور مقسم کا قسم ④ پر صادق آنا ضرور ہے تو یہ حاصل ہوا کہ یہ گروہ بھی اہل کتاب تو ہیں مگر ان اوصاف کے ساتھ متصف ہونے سے ناجی اور جنتی اور صالحین میں سے ہو گئے مگر ان لوگوں نے اور نصوص ⑤ کو نہیں دیکھا جن میں تصریح موجود ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآن پر بلا ایمان لائے ہوئے نجات نہیں ہوسکتی مثلاً قُلْ يَٰٓأَهْلَ ٱلْكِتَٰبِ لَسْتُمْ عَلَىٰ شَىْءٍ حَتَّىٰ تُقِيمُوا۟ ٱلتَّوْرَىٰةَ وَٱلْإِنجِيلَ وَمَآ أُنزِلَ إِلَيْكُم مِّن رَّبِّكُمْ ⑥ کا ترجمہ یہ کہہ دیجئے کہ اے اہل کتاب تم کسی شمار میں بھی نہیں ہو جب تک کہ انجیل اور توراۃ پر اور اس پر جواب اتارا گیا ہے یعنی قرآن پورا عمل نہ کرد اور ارشاد وَءَامِنُوا۟ بِمَآ أَنزَلْتُ مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَكُمْ وَلَا تَكُونُوٓا۟ أَوَّلَ كَافِرٍۭ ⑦ یہ خطاب اہل کتاب ہی کو ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ اے اہل کتاب ایمان لاؤ اس کتاب پر جو میں نے اتاری ہے کہ وہ تمہاری کتابوں کی بھی تصدیق کرنیوالی ہے

① اچھائی کا حکم کرتے اور برائی سے روکتے ہیں ② نیک کاموں میں جلدی کرتے ہیں ③ اہل کتاب کو تقسیم کیا گیا ④ تقسیم کا اپنی قسم پر ثابت آنا ضروری ہے ⑤ قرآن کی دوسری آیات ⑥ سورۃ المائدۃ:۶۸ ⑦ سورۃ البقرۃ:۴۱۔

اوراس کے ساتھ اول کافر نہ بنویعنی اگرتم اس کا انکار کرو گے تو کافر ہو گے اورسب سے اول درجہ کے کافر ہو گے کیونکہ تم اہل علم ہواور پہلے بھی تم کو کتاب مل چکی ہے برخلاف مشرکین کے کہ وہ اہل علم نہیں اور کسی کتاب کو نہیں مانتے ان سے اس کتاب کا انکار بھی اتنا بعید نہیں جتنا تم سے اس آیت میں بِمَآ اَنزَلْتُ مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَكُمْ سے سوائے قرآن کے اور کچھ مراد نہیں ہوسکتی۔لہٰذ ثابت ہوا کہ قرآن پر ایمان لانا بھی شرط ایمان ہے بلا اس کے آدمی مومن نہیں ہوسکتا کافر ہی رہے گا اور کافر کی نجات نہیں اور ظاہر ہے کہ تمام قرآن حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رسالت سے بھرا پڑا ہے قرآن پر جو کوئی ایمان لائیگا وہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رسالت کا ضرور قائل ہوگا اس سے ثابت ہوا کہ بلا حضور کی رسالت پر ایمان لائے بھی نجات نہیں ہوسکتی تو اب اس شبہ کی گنجائش کہاں رہی کہ اس آیت میں صرف وہ اعمال مراد ہیں جو آیت میں مذکور ہیں اور ان میں قرآن پر ایمان لانے اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رسالت کے قائل ہونے کا ذکر نہیں جواب یہ ہے کہ دوسری نصوص کی وجہ سے ان اوصاف کو مقید① ماننا پڑے گا ایمان بالقرآن اور تصدیق رسالت کے ساتھ۔

اہل کتاب کا ایمان لانا معتبر ہوگا

رہا ان پر اہل کتاب کا صادق آنا یہ باعتبار ماضی کے ہے جیسا کہا جاوے کہ اس نابالغ جماعت میں سے بعضے بالغ ہو گئے تو کیا اس کا یہ مطلب ہے کہ وہ نابالغ بھی رہے۔غرض یہ شبہ محض لغو ہے اہل کتاب کا عنوان صرف اس واسطے اختیار کیا گیا ہے کہ یہ نہ سمجھا جاوے کہ اگر اہل کتاب ایمان لائیں گے تو یہ نہ سمجھا جاوے کہ کسی وقت میں ان کا اہل کتاب ہونا مانع ہوگا② مقبولیت سے اور بعد ایمان کے بھی حق تعالیٰ کی طرف سے کوئی کدورت③ باقی رہ جائیگی بلکہ ان کو وعدہ دیا جاتا ہے کہ اگر وہ ایمان لے آئیں گے اور یہ اوصاف اختیار کریں گے تو وہ مومنین اور صالحین ہی میں شمار ہوں گے اور کوئی کدورت ان کی طرف سے باقی نہ رکھی جائیگی اور یہ معنی نہیں ہیں کہ بلا حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائے یہ اعمال نجات کیلئے کافی ہو جائیں گے افسوس ہے کہ اچھے اچھے لوگ اس مغالطہ میں پڑے ہوئے ہیں۔

---

① ان اوصاف کے ساتھ ایمان بالقرآن اور تصدیق رسالت کی شرط بھی لازمی ہے ② رکاوٹ ③ رنجش

کافر نیک صالح ہمیشہ کے لیے دوزخ میں کیوں جائے گا

میرے پاس اس قسم کے سوالات آتے ہیں کہ بعض لوگ ایسے موجود ہیں کہ وہ عالم ہیں فاضل ہیں بڑی بڑی قابلیتیں رکھتے ہیں۔ ایک مزاج نیک طینت ہیں کسی کے ساتھ برائی نہیں کرتے توحید کے بھی قائل ہیں۔ اور انھوں نے بڑے بڑے علوم و فنون کے حاصل کرنے میں عمریں صرف کردی ہیں۔ ہاں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان نہیں رکھتے تو ایسے شخص کو یہ کہہ دینا کہ خالد فی النار ① ہوگا یہ تعصب ہے یا نہیں؟۔ میں نے جواب میں لکھا کہ اگر ایسا ہی شخص جس میں اتنی قابلیتیں موجود ہوں نیک مزاج اور سخی بھی ہو غرضکہ سارے اوصاف اس میں جمع ہوں عیب صرف اتنا ہو کہ حاکم وقت سے بغاوت کرے تو اس کے واسطے حاکم کیا تجویز کرے گا؟ اس کا جواب سوائے اس کے کچھ نہیں کہ بغاوت کی دفعہ لگا کر پھانسی یا حبس دوام ② بعبور دریائے شور کی سزا دی جائیگی۔ میں کہتا ہوں کہ یہ بڑا تعصب ہے کہ ایسے شخص کو جو اتنی بڑی بڑی قابلیتیں رکھتا ہو اور متعدد اوصاف حمیدہ ③ اس میں جمع ہوں صرف ایک برائی کی وجہ سے اس کو وہی سزا دی جائے جو ایک بدمعاش بدچلن غیر تعلیم یافتہ نا قابل باغی کو دی جاتی ہے۔ اگر یہ تعصب ہے تو وہ بھی تعصب ہے۔ اگر یہ تعصب نہیں تو پھر اس کے تعصب کہنے کی کیا وجہ؟۔ بات یہ ہے کہ لوگوں کے مذاق ایسے بگڑ گئے ہیں کہ جب تک یورپ کا قانون کسی بات کی موافقت نہ کرے اُس وقت تک چاہے کتنی ہی دلیلیں عقلی نقلی پیش کی جاویں تسلی نہیں ہوتی میرے اس جواب اور اس نظیر کے دینے سے تسلی ہوگئی۔ یہ بھی افسوس کی بات ہے کہ ہم اور تسلی کے لئے ان نظائر پیش کرنے کے محتاج۔ ہم کو تو حق تعالیٰ نے وہ چیز دی تھی کہ اس سے بڑھ کر کوئی چیز کسی کے پاس ہو ہی نہیں سکتی۔ شریعت ایسی صاف و صحیح اور سہل سمجھ میں آتی ہوئی عقل و فطرت کے موافق ہے کہ اس کے ہوتے ہوئے چاہئے تو یہ تھا کہ اس کے اصول اور قوانین سے دوسرے لوگ اپنے دعووں کو ثابت کیا کرتے نہ کہ ہم کو حاجت پڑتی ہے کہ ہم اپنے دعووں کو اُن کے قانون و نظائر سے ثابت کریں خلاصہ یہ کہ جب باغی کے تمام کمالات ایک جرم بغاوت کے ہوتے ہوئے مقبول نہیں تو ایسے ہی تمام قابلیتیں اور علم و فضل اور نیکی

---

① ہمیشہ جہنم میں جائے گا ② ہمیشہ کی قید یا ملک بدر کیا جائے گا ③ اچھی صفات کا حامل ہو۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے انکار نبوت کے ساتھ مقبول نہیں ہوسکتیں۔ یہ بہت موٹی بات ہے۔

کافر کے نیک اعمال کی جزاء دنیا میں ملتی ہے

البتہ دنیا کے حکام میں اور حق تعالیٰ میں اتنا فرق ہے کہ حق تعالیٰ چونکہ بڑے عادل ہیں انھوں نے باغیوں کے حقوق کی بھی رعایت فرمائی ہے جو کسی سلطنت میں نہیں ہے وہ رعایت یہ ہے کہ کافر کے بھی بعض اعمال کا صلہ دے دیتے ہیں مثلاً کسی کافر میں عدل وصلہ رحم وغیرہ کے اوصاف بھی ہیں تو اس کی نسبت وعدہ فرماتے ہیں مَن كَانَ يُرِيدُ ٱلْحَيَوٰةَ ٱلدُّنْيَا وَزِينَتَهَا نُوَفِّ إِلَيْهِمْ أَعْمَٰلَهُمْ فِيهَا وَهُمْ فِيهَا لَا يُبْخَسُونَ ①
اس سے ثابت ہوا کہ کافر کے اعمال بھی ضائع نہیں کئے جاتے۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ اس کی جزا دنیا ہی میں دے دی جاتی ہے آخرت کیلئے کچھ نہیں باقی رہتی کیونکہ آگے آیت میں اس کی تصریح موجود ہے۔ ارشاد ہے: أُوْلَٰٓئِكَ ٱلَّذِينَ لَيْسَ لَهُمْ فِي ٱلْأٓخِرَةِ إِلَّا ٱلنَّارُ ۖ وَحَبِطَ مَا صَنَعُواْ فِيهَا وَبَٰطِلٌ مَّا كَانُواْ يَعْمَلُونَ ② یعنی یہ وہ لوگ ہیں جن کے لئے آخرت میں کچھ نہیں سوائے دوزخ کی اور حبط ہوجائے گا جو کچھ انہوں نے کیا اور بیکار ہیں جو عمل کرتے تھے یعنی یہ اعمال ان کے آخرت میں کچھ بھی کام نہ دینگے جو کچھ ملنا تھا دنیا میں مل چکا۔ اس آیت سے ثابت ہوا کہ کفار کے اعمال بھی ضائع نہیں جاتے کچھ نہ کچھ ثمرہ ملتا ہے دنیا ہی کا سہی۔ دنیا میں ثروت وغیرہ جو کفار کو حاصل ہے ممکن ہے کہ یہ ان کے نیک اعمال کا صلہ ہو اس لئے کہا کہ اعمال علت ہیں شہرط نہیں بدوں اعمال کے بھی کبھی یہ چیزیں کسی حکمت سے مل جاتی ہیں۔

نوٹ: اس وعظ کا بقیہ تیسرا حصہ اگلے شمارے میں چھپے گا جس کی ابتدا اس عنوان سے ہورہی ہے (کفار کے کثرت مال کی حقیقت)۔

---

① ''جو کوئی حیات دنیا اور اس کی زینت یعنی عیش و آرام کو (مقصود بالذات کے درجہ میں) چاہتا ہو (اس کا مصداق کافر ہوسکتا ہے) تو اس کے اعمال کی جزا اس کو دنیا میں ہم پوری دیتے ہیں اور اس میں کچھ کمی نہیں کی جاتی اس سے معلوم ہوا کہ کافر کے نیک اعمال کے صلہ میں اس کو دنیا دیجاتی'' سورۂ ھود: ۱۵ ② سورہ ھود: ۱۶

اخبار الجامعۃ

ماہ جولائی/اگست 2025

❁ 13 اگست: مولانا ڈاکٹر قاری احمد میاں تھانوی مدظلہ (مہتمم جامعہ) نے مولانا محب النبی صاحب مدظلہ مہتمم دارالعلوم مدنیہ رسول پاک سے اہلیہ کی وفات پر تعزیت فرمائی۔

❁ 13 اگست: آزادی کی مناسبت سے کامران بلاک درجاتِ حفظ کے طلباء نے تلاوتِ قرآن کریم، حمد ونعت، ملّی نغمات پیش کئے اور تقاریر کیں۔

❁ 14 اگست: یوم آزادی کی مناسبت سے دارالفلاح مصطفیٰ ٹاؤن برانچ کے طلباء نے تلاوت وتقاریر وملّی نغمات پیش کئے حضرت مہتمم صاحب مدظلہ نے آزادی کے مقاصد سے آگاہ فرمایا 10 بجے مرکزی درس گاہ کامران بلاک میں پرچم کشائی کی تقریب میں شرکت فرمائی تقریب کے بعد طلباء نے تلاوت وحمد ونعت اور اردو، عربی، انگریزی زبان میں تقاریر کیں اساتذہ کرام میں مولانا ڈاکٹر قاری رشید احمد تھانوی صاحب، مولانا ڈاکٹر محمد سعد صدیقی صاحب، مولانا ڈاکٹر قاری خلیل احمد تھانوی صاحب (نائب مہتمم جامعہ) کے خطابات کے بعد آخری اختتامی خطاب مولانا ڈاکٹر قاری احمد میاں تھانوی مدظلہ العالی نے فرمایا۔ مقررین نے اپنے خطابات میں قوم پر زور دیا کہ آزادی کی عظیم نعمت کی قدر کریں اور اکابر علماء دیوبند سمیت تمام اسلاف کی قربانیوں کو ہرگز فراموش نہ کریں اور بلا امتیاز ہر فرد قوم وطنِ عزیز کے امن واستحکام میں اپنی ذمہ اری ادا کرے اور دشمن کے مقابلہ میں تمام ادارے متحد ہوکر وطن کی حفاظت کرے آخر میں حضرت مہتمم صاحب نے مئی میں افواج پاکستان کی عظیم الشان کامیابی پر خراج تحسین پیش فرمایا۔

❁ 16 اگست: جامعہ کی شاخین معراج النساء، مدرسۃ المعز میں بھی طلباء واساتذہ کرام نے تقریب یوم آزادی کے عنوان سے تلاوت وتقاریر کرکے جذبہ حب الوطنی کا ثبوت دیا، حضرت مہتمم صاحب اور ڈاکٹر قاری رشید احمد تھانوی صاحب نے اپنے خطابات میں

آج کے نوجوانوں، بزرگوں، ماؤں بہنوں، بیٹیوں کو اپنی ذمہ داریاں ادا کرنے کی ترغیب دی اور دعا فرمائی، اللہ تعالیٰ ہمیشہ وطن عزیز کی حفاظت فرمائیں۔ آمین

❁ **20 اگست:** الحمد للہ جامعہ ہٰذا کے طلباء نے تجوید و درس نظامی کے ساتھ ساتھ نہم کلاس میں بورڈ کے امتحان میں مجموعی طور پر بہتر نتائج حاصل کئے ہیں کل **100** طلباء جن میں سے **70** نے سائنس اور **30** نے آرٹس کے مضامین میں نہم کا امتحان پاس کیا امید ہے کہ طلباء دھم میں اس سے بہترین نتائج سے کامیاب ہوں گے۔ (ان شاء اللہ تعالیٰ)

مورخہ 16 اگست تا 24 اگست جامعہ کے شعبہ تعلیمات میں درجات حفظ و ناظرہ، تجوید وقراءات، دراسات دینیہ، درسِ نظامی، عصری تعلیم کے ششماہی امتحانات مکمل ہوئے اور ماہ رجب میں ہونے والے وفاق المدارس العربیہ پاکستان کے سالانہ امتحان کے لیے داخلوں کا سلسلہ شروع ہوگیا۔